مجلة المحصنات

علمی و تحقیقی رسالہ

ISSN 2523-11 11

شمارہ ۸

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ

جون ۲۰۲۱ء

شعبہ تحقیق

جامعات المحصنات پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

ISSN 2523-1111

مجلة المحصنات

علمی و تحقیقی مجلّہ

(اردو۔انگریزی۔عربی)

ہائرایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ

شمارہ: 8

جنوری تا جون 2021ء

ڈاکٹر عابدہ سلطانہ

مدیرہ

شعبہ تحقیق - جامعات المحصنات پاکستان

مرکزی دفتر جامعات المحصنات: R-8 بلاک 8 عقب گلشن شمیم فیڈرل بی ایریا کراچی

فون: 021-363711244 | 021-36320794 | 0331-3340957

ویب: www.mohsanat.edu.pk | ای میل: almohsanatresearch@gmail.com

https//www.facebook.com//mohsanat1

مجلس ادارت ومشاورت

- مدیرہ: ڈاکٹر عابدہ سلطانہ
- معاون مدیرہ: شائستہ فخری

ادارتی بورڈ:

- ڈاکٹر مولانا ساجد جمیل — شیخ الحدیث- سابق استاد جامعات المحصنات
- ڈاکٹر سہیل شفیق — ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی
- ڈاکٹر جہاں آراء لطفی — اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سینٹر کراچی

بین الاقوامی مشاورتی بورڈ:

- ڈاکٹر انور اللہ — اسلامک دعوۃ سینٹر برونائی دارلسلام
- ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی — ہیڈ آف عربی ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انڈیا
- ڈاکٹر مناظر احسن — اسلامک فاؤنڈیشن انگلینڈ
- ڈاکٹر عبدالودود — چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک لرننگ، جاگ ناتھ یونیورسٹی ڈھاکہ
- ڈاکٹر سید کفیل احمد قاسمی — چیئر مین شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انڈیا
- ڈاکٹر پرویز ناظر — یونیورسٹی آف کیمبرج انگلینڈ
- ڈاکٹر توقیر فلاحی — چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف سنّی تھیالوجی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انڈیا
- ڈاکٹر آصف نوید — ڈائریکٹر اسلامک کلچر انسٹیٹیوٹ، جرمنی
- ڈاکٹر مولانا شبیر احمد — پرنسپل آسٹریلین اسکول آف اسلامک انفارمیشن، آسٹریلیا
- ڈاکٹر سید عبدالماجد غوری — سینئیر ریسرچ فیلو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کالج، ملائیشیا
- ڈاکٹر عالم خان — اسسٹنٹ پروفیسر فیکلٹی آف اصول دین، یونیورسٹی آف ترکی

قومی مشاورتی بورڈ:

- ڈاکٹر دوست محمد — ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور
- ڈاکٹر حسام الدین منصوری — سابق ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ کراچی یونیورسٹی
- ڈاکٹر عصمت اللہ — چیئر مین شعبہ فقہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
- ڈاکٹر حافظ محمد ثانی — چیئر مین ڈیپارٹمنٹ قرآن وسنہ، فیڈرل اردو یونیورسٹی کراچی
- ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو — سابق ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، سندھ یونیورسٹی
- ڈاکٹر عبید احمد خان — ڈیپارٹمنٹ آف اصول دین، کراچی یونیورسٹی
- ڈاکٹر عبدالحیٔ ابڑو — ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی، اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر بشیر احمد رند — چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک کلچر، سندھ یونیورسٹی
- ڈاکٹر مصعب افتخار — اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
- ارشد احمد بیگ — ڈائریکٹر آرگنائزیشنل ڈیولپمنٹ اینڈ سپورٹ رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی
- پروفیسر ثریا قمر — چیئر پرسن شعبہ اسلامک اسٹڈیز جناح یونیورسٹی برائے خواتین کراچی

مضامین کی اشاعت سے متعلق گزارشات

- مجلۃ المحصنات میں اسلامی ادب وعلوم، تاریخ وتہذیب، تقابل ادیان، فلسفہ، سماجی علوم، سیاسیات ومعاشرت وغیرہ سے متعلق موضوعات پر اردو۔ عربی اور انگریزی میں علمی وتحقیقی غیر مطبوعہ مقالات شائع کیے جاتے ہیں۔
- مضمون نگار اپنی تحریر کے دو نسخے A4 سائز کے کاغذ پر صفحہ کے ایک جانب اردو اور عربی کے مضامین ان پیج پر اور انگریزی کے مضامین ایم ایس ورڈ پر کمپوز کر کے ارسال کریں گے۔ جبکہ ایک نسخہ بذریعہ ای میل بھیجیں۔
- اپنے مضامین درج ذیل ای میل ایڈریس پر فراہم کریں۔

almohsanatresearch@gmail.com

- تحریر ارسال کرتے ہوئے اپنا مکمل نام، خط وکتابت کا پتہ، فون نمبر، ای میل ایڈریس بھی لازماً درج کریں۔
- تحقیقی مقالہ لکھنے کی صورت میں اس کی ابتداء میں 200 الفاظ پر مشتمل خلاصہ (abstract) HEC کے قواعد کے مطابق انگریزی میں تحریر کیجیے۔
- مقالے کا عنوان اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں درج کیا جائے۔
- مجلۃ المحصنات میں مراجع اور حواشی کے لیے APA طریقہ کار اپنایا جائے۔

☆ عابدہ سلطانہ۔ (2019ء)۔ ''عالمِ اسلام کی جدید تحریکیں''۔ رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی۔ ص 49-57

- یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مقالہ اس سے پہلے کسی اور مجلّہ یا رسالے میں شائع نہ ہوا ہو۔
- تمام تحریریں ادارے کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی آراء کے بعد شائع کی جائیں گی۔ نیز ناقابل اشاعت تحریروں کی مصنفین کو واپسی ادارے کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔
- اشاعت کے لیے قبول کیے جانے والے مقالات میں ادارہ ضروری ادارتی ترمیم وتلخیص کا حق محفوظ رکھتا ہے۔
- ہر مضمون نگار/ مقالہ نگار کو شائع شدہ مجلّہ کی ایک کاپی فراہم کی جائے گی۔
- مضامین ومقالہ نگاروں کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

زیرِ اہتمام: شعبہ تحقیق - جامعات المحصنات پاکستان

قیمت فی شمارہ: -/250 روپے

فہرست مضامین

اداریہ	مدیرہ	07
اسلامی فن تعمیر کا تہذیبی پس منظر: ایک مختصر جائزہ	ڈاکٹر حمیرا ناز	08
جنگ میں حدود وقیود اور شریعت اسلامی۔۔۔ایک تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر سید محمد نسیم سرور	38
اسلام کا تصورِ اہلیت۔ایک مطالعہ	ڈاکٹر شاکر حسین خان	54
''بغداد کی علمی سرگرمیاں۔ایک تاریخی جائزہ	لاریب	67
دورجدید میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت۔ایک تحقیقی جائزہ	محمد عفان الحق	97

عربی مقالہ

الصفات الحميدة فی ضوء سورة يوسف دراسة تحليلية موضوعية لصفة الصبر والإحسان وحسن المعالة	محمد عمر فاروق عبدالرشيد	110

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

الحمدللہ مجلۃ المحصنات کا آٹھواں شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری مساعی قبول فرمائے۔آمین
حال اور مستقبل کے بہت سے چیلنجز میں سے ایک بڑا چیلنج خاندانی نظام کی بقاء اور مغربی تہذیب کے نفوذ سے اپنی نظریاتی بنیادوں کو محفوظ رکھنا ہے ۔پوسٹ ماڈرن ازم ایک حقیقت ہے لہذا گلوبل ولیج کے باسیوں کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ اسلامی تہذیب، استحکامِ خاندان اور بنیادی اقدار وروایات کے تحفظ کے لیے اپنے دائرہ کار میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔
مجلۃ المحصنات احساس وشعور کی بیداری، تاریخ اسلام سے وابستگی اور سیرتِ رسول ﷺ کی روشنی سے معاشرے کو منور کرنے کا عزم لیے قلم کے میدان میں موجود ہے۔آپ سب اہل علم خواتین وحضرات کے عملی تعاون پر شکر گزار ہیں۔

آپ سب کے تعاون کی طلبگار

مدیرہ

ڈاکٹر عابدہ سلطانہ

اسلامی فن تعمیر کا تہذیبی پس منظر ـــــ ایک مختصر جائزہ

☆حمیرا ناز

تاریخ سے غیر معمولی شغف رکھنے والوں کے لیے پرانے تہذیبی آثار و باقیات ہمیشہ سے اپنی توجہ مبذول کراتے رہے ہیں۔خصوصاً اسلامی دنیا کے وہ ممالک جہاں اسلامی تاریخ کے نقوش گہرے ہیں۔ جیسے عرب، شام، مصر، ایران، ترکی، شمالی افریقہ اور وسط ایشیا کے وہ ممالک جو اسلامی ثقافت، آرٹ اور فن تعمیر کے شاندار مراکز رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اندلس اور ہندوستان جہاں مسلمانوں نے طویل عرصے حکمرانی کی۔ یہاں ان کا چھوڑا ہوا تہذیبی سرمایہ ان کی یادگار عمارتوں کی شکل میں آج بھی شاندار تہذیبی ورثہ کی عکاسی کرتا ہے۔ یہاں مسلم معماروں کی تعمیر کی ہوئی عبادت گاہیں (مساجد) محلات، قلعے، برجیاں سرائے، ڈھکے ہوئے بازار، اجتماعی حمام، باغیچے جو گذشتہ اسلامی تمدن کی یاد دلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ڈیزائن سادہ ہیں۔ مگر ان میں انجینئرنگ کے کمال دکھائے گئے ہیں جس میں مسلمانوں کو مہارت حاصل تھی۔ ہمارے قوم کے اسلاف نے انہی ہی علم ریاضی اور ہندسہ کے ٹھوس اصولوں پر دنیا کے ایک بڑے حصے پر عمارتوں کی تعمیر سے ایک آن بان اور شان و شوکت عطا کی۔ آج بھی اس بات کے گواہ عمارتیں ہیں جو حوادث زمانہ کے تھپیڑوں سے محفوظ و مامون چلی آرہی ہیں۔ جس کی وجہ آج ہم اپنے اسلاف کے عظیم ترکہ کو کسی حد تک مامون و مصؤن دیکھ رہے ہیں۔ ان کی شان و شوکت آج بھی اہمیت کی حامل ہے۔ بلکہ یہ یادگار عمارتیں مسلم ثقافت کی پہچان اور انفرادیت کی آئینہ دار ہیں۔

اگرچہ ان قدیم عمارتوں میں جو مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں تعمیر کی گئی تھیں ان کے ڈھانچہ اور ھیکل پر مقامی تہذیب و ثقافت کا اثر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی بناوٹ اور شکل و صورت پر وہاں کی آب و ہوا، زمین کی ساخت، اور قطعہ زمین کا رقبہ بھی اہم اثرات مرتب کرتے نظر آتے ہیں۔ (۱)

جس کی وجہ سے ان عمارتوں میں تضاد (تنوع) نمایاں ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب نے ان سب میں امتزاج کو روا

☆ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، کراچی یونیورسٹی

رکھا۔ چونکہ اسلامی تہذیب کسی علاقائی تہذیب کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر تہذیب ہے۔ جو قید مقام و مکاں سے آزاد ہے اور اس تہذیب کی اپنی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر علاقائی تہذیب پر اپنا نقش اس طرح بٹھاتی ہے کہ صالح قسم کا خام مواد کو اپنا بنا کر صریحاً غیر اسلامی عناصر کو ترک کر دیتی ہے۔ یہ عمل ہر جگہ ہوا۔لیکن اس عمل کے باوجود ایک نقش مشترک بھی ہے جو ہر جگہ موجود ہے اور سرسری نظروں سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔غرض یہ نقش وحدت ہے جس کو ہم اسلامی رنگ بھی کہتے ہیں۔ جو کاشغر سے اندلس اور ہندوستان تک تنوع کے اندر یکسانی اور یک رنگی کا واضح احساس لیے ہوئے ہےجس کا مشاہدہ مسلمانوں کی تعمیرات کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ گویا کثرت میں وحدت اسلامی تہذیب کا خاصا ہے۔ مقالہ ھذا میں نقش وحدت کا رنگ جو ہر جگہ کی اسلامی عمارتوں میں نظر آتا ہے اور یہی اسلامی فن تعمیر کی پہچان اور انفرادیت کی علامت ہے۔اس کی روشنی میں ہم نے اسلامی فن تعمیر کا مطالعہ تہذیبی پس منظر میں پیش کرنے کی سعی و کاوش کی ہے۔

اسلامی فنِ تعمیر مختلف ملی اکائیوں کی سعی و کاوش ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی فن تعمیر میں یہ وحدت اور انفرادیت کا رنگ جس پر زمانے اور فاصلے کا کوئی اثر نہیں پڑا وہ درحقیقت عقیدہ وحدانیت کا نتیجہ تھا۔جس نے مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔اسی اسلام کی روح سے سرشار ہو کر انھوں نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھا اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں سے ٹکر لی اور ایک مختصر سے عرصے میں دنیا کے ایک بڑے رقبے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ مسلمانوں کی یہ سلطنت کئی قوموں، ملتوں، کئی مذہبوں اور تہذیبوں کی اکائی پر مشتمل تھی اور ان ملّی اکائیوں کے اشتراک سے جونئی تہذیب پروان چڑھی وہ بالآخر منضبط ہو کر اسلامی تہذیب کہلائی۔ یہ تہذیب کئی ملّی اکائیوں پر مشتمل تھی۔ جن میں عرب بھی تھے، شامی اور عراقی بھی، ایرانی، ترک، قبطی، بربر جنھوں نے اسلامی تہذیب کی نشو نما اور اس کے فروغ میں حصّہ لیا۔ان کا اپنا بھی تہذیبی سرمایہ تھا جو بعد میں مسلمانوں کی مشترکہ میراث بنا۔اس طرح مسلمان ان ملّی اکائیوں کی تہذیب کے وارث ہوئے۔قبول اسلام سے پہلے ان اقوام کے درمیان معاندانہ جذبات تھے۔ان کی معاشرت جدا اور خیالات مختلف تھے اور جو تاریخی، تمدنی اور جغرافیائی اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔لیکن اسلام نے انھیں ایک عقیدے سے وابستہ کر دیا۔جس کے سامنے قومی اور نسلی اختلافات بے معنی ہو کر رہ گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے بعد ان کا دین و مذہب ایک ہو گیا۔(2)

اس مشترک عقیدے نے جملہ قوموں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔لہٰذا ہر مذاہب میں دنیاوی اور مذہبی امور کا جو فرق پایا

جاتا ہے وہ اسلام میں مفقود تھا حتی کہ آگے چل کر اس کی مذہبی عمارتیں دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں وہ سب یکساں ہیں۔(3)
جن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ان کے ممالک میں شان دار تہذیبی روایتیں موجود تھیں۔ان کی عالیشان عمارتیں ان کی فنی ذوق کی شاھد تھیں۔اس طرح اسلام کے قبضے میں نہ صرف مفتوحہ تہذیبوں کی پیدا کردہ صحیح وسالم موجود عمارتیں اور قدرے برباد عمارتیں ہاتھ آئیں۔بلکہ مسلمان عربوں نے فن تعمیر کی وہ مہارت اور علم بھی حاصل کر لیا۔جن کی مفتوحہ قومیں حامل تھیں۔ان میں رومیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جدید انجینئرنگ کی داغ بیل انھوں نے ڈالی اور جو دور ماضی سے ورثہ میں پاتی چلی آرہی تھیں۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر ملی اکائیوں کی سعی وکاوش کا نتیجہ ہے۔اس سے بعض مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''فن تعمیر کے میدان میں مسلمانوں کا اپنا کوئی طرز نہیں''(4)
بلکہ مسلمانوں کا فن تعمیر گردونواح کی دوسری غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات کا رہین منت ہے اور اس کی مستقل ذاتی حیثیت مشکوک ہے۔(5)
ہمیں ان مستشرقین کے اس مفروضے کی تردید کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ بعض دیگر مغربی ماہرین اس کا بطلان کر چکے ہیں اور اسلامی فن تعمیر کے اہم عناصر کو مسلمانوں کی اپنی سعی وکاوش قرار دے چکے ہیں۔(6)
جیسے مشہور مستشرق ارنسٹ ٹاڈ کا کہنا ہے کہ "یہ فن تعمیر اسپین سے لے کر ہندوستان تک کہیں بھی پایا جائے اور خواہ کوئی نئی قوم اسے استعمال کرتی ہو اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے اور یہ مخصوص مزاج یا عمومی خصوصیت نہ صرف مختلف قوموں کے ایک مشترکہ مذہب اور ایک مشترکہ سماجی نظام کو قبول کرنے کا نتیجہ ہےبلکہ دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں فنی طریقہ کار کے تصورات بلکہ خود صناعوں کے ان تصورات کی اشاعت کے مواقع پیدا ہونے کی مرہون منت ہیں''(7)
لہٰذا اس بیان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عربوں کا ابتدائی فن تعمیر ہو یا کوئی بھی فن ہو۔اس میں دوسری تہذیبوں سے مشابہت یہ ایک فطری عمل ہے۔اس سے کوئی قوم مستثنیٰ نہیں۔عرب فاتحین نے ساتویں صدی میں جس علاقے کو مسخر کیا تھا وہاں انھیں دو قدیم تہذیبوں کے باقیات سے دوچار ہونا پڑا۔جن فوجوں نے شام، مصر، فلسطین کی تسخیر کے لیے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔انھیں یونانیت زدہ (Hellenized) علاقے ملے جن کے روابط عیسائیت کی بدولت یونانی رومی تہذیب کے ساتھ مستحکم تھے۔انہی علاقوں میں قبۃ الصخرہ (691ء/72ھ) اور جامع دمشق (705ء/89ھ) جیسی ابتدائی عرب عمارتیں اموی دور حکومت میں بنائی گئیں جن کی تعمیر میں ان تہذیبی عناصر کے اثرات نمایاں ہیں۔جب کہ جنوب میں فارس میں

ساسانی طرز تعمیر پھل، پھول رہا تھا۔ جو قدیم ہخامنشی طرز اور متاخر دور کے رومی و بازنطینی عناصر سے مرکب تھا۔ میسو پوٹیما سے ترکستان اور افغانستان تک کیعلاقے کسرائے ایران کے قلمرو میں شامل تھے،لہٰذا عرب فاتحین کو ان علاقوں میں ہر طرح کے ماہرین ملے جنہیں اپنے اپنے فن میں مہارت حاصل تھی۔(8)

عربوں نے ان سے سیکھا اور ان سے بیشتر جو گونا گوں فنون تھے۔ مسلمانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ مگر کسی کو بھی پہلی حالت میں قبول نہیں کیا بلکہ مسلم حکمران اپنے مفتوحہ ممالک کے فنون (خواہ ان کا تعلق عمارتوں کی طرز سے ہو یا آرائشی نقش ونگار سے) بخوشی متاثر ہوئے تھے لیکن آرائش وزیبائش کے عناصر یا عمارتوں کی وضع یا طرز ہو، اس طرح قبول کیئے کہ وہ بعض اسلامی فرائض کی بجا آوری میں مخل نہ ہوں اور نئے مسلم معاشرے کی ضرورت سے بھی ہم آہنگ ہوں۔(9)

لہٰذا اس کی روشنی میں اکثر مغربی مورخین نے جو نتیجہ نکالا ہے کہ ''عربوں کا اپنا کوئی طرز نہیں'' بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخذ واستفادے کا یہ عمل صرف عرب مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ ابتدا سے ہی چلا آ رہا ہے۔ اس بات کا اعتراف فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''ہر ایک قوم قبل اس کے وہ اپنی ذاتی صنائع قائم کر سکے دوسروں کے طرز سے فائدہ اٹھاتی ہے اور ہر ایک قرن اپنے قرن سابقہ کے ذخیروں سے متمتع ہوتا ہے اور اگر اس میں خود صلاحیت ہے تو اپنا ذخیرہ قرون آیتہً کے لیے چھوڑ دیتا ہے کوئی قوم اس قانون سے نہیں بچی اور یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسی قوم کا اس سے بچنا ممکن بھی نہیں۔''(10)

پس ان حقائق کے سامنے عربوں کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے ماقبل کی اقوام کے خیالات اخذ کیے تھے،لہٰذا ان میں کوئی خاص ذاتی صنعت نہ تھی بلکہ کسی بھی قوم کی اصلی ذکاوت اُس سرعت اور مستعدی سے معلوم ہوتی ہے جس سے وہ اس مصالح کو جو اس کے ہاتھ آیا ہے تبدیل کر کے اپنے خیال اور اپنی ضرورتوں کے موافق بنا لیتی اور ایک نئی صنعت ایجاد کر لیتی ہے اس امر میں کوئی قوم عربوں سے سبقت نہیں لے سکی۔ ان کی فطرتی قوت اختراع ان کی ابتدائی عمارات ہی سے ظاہر ہے۔ اس کی مثال مسجد قرطبہ ہے۔(11)

مزید برآں یہ بھی کہا جا سکتا ہیکہ ہر تہذیب اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہیر ہی بات اسلامی تہذیب کی تو وہ خاص قسم کیدینی اور مذہبی نظریے کا مظہر تھی اور جس کا ظہور ساتویں صدی عیسوی میں آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام سیہوا۔ یہ نظریہ دوسروں سے اثر پذیر ہونے کے بجائے شرعی قوانین کا تابع وفرمان تھا۔ لہٰذا مسلمانوں نے مختلف فنون کو اخذ کرنے کے بعد اپنی

مخصوص چھاپ لگا کر ان میں اپنی ذوقی ضروریات اور مخصوص عقائد کے مطابق تبدیلیاں کیں اور اپنی مخصوص چھاپ لگادی۔ یہی تصور عمارتوں کے طرز اور وضع قطع میں بھی کارفرما رہا۔ ان تبدیلیوں کی بدولت فنون وصنائع نے بتدریج ایک ایسا قالب اختیار کرلیا کہ جسے بجا طور پر اسلامی کہا جاسکتا ہے جس کا مظہر خصوصاً اسلامی عہد کی وہ مذہبی عمارتیں ہیں جو اسلامی وحدت کی امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں۔(12)

الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی آمد دنیائے فن میں ایک عظیم الشان واقعہ تھا خصوصاً تخلیقی اور تعمیری کاموں کے لیئے۔ اسلام دوردراز ملکوں میں جہاں بھی پھیلا وہاں مختلف فنون بالخصوص فن تعمیر میں ایک خاص رنگ اور مزاج پیدا ہوگیا۔ جو خالص اسلامی رنگ تھا اور یہی امتیازی رنگ نہ صرف مختلف فنون بلکہ مسلم فن تعمیر کی پہچان بن گیا۔ جس نے مسلم فن تعمیر کو وحدت بخشی۔ چنانچہ اسلامی دنیا کی عمارتیں جو مختلف زمانوں میں اور مختلف طرز پر تعمیر ہوئیں، ان میں ایک باہمی مشابہت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متحد الاصل ہیں۔ ان میں جغرافیائی اختلاف تو ہوسکتا ہے لیکن عمارتوں کا مجموعی طرز پر ایک جیسا ہے۔ خاص طور پر مذہبی عمارتیں (مساجد، مدارس وغیرہ) جو دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں وہ سب یکساں ہیں۔ لہذا اسی تناظر میں اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا مسلمانوں میں کس ضرورت اور مقاصد کے لیے ہوئی۔ اور نیز اسلامی فن تعمیر، مختلف الماخذ ہونے کے باوجود کیوں انفرادی خصوصیت کا حامل رہا ہے۔

اسلامی فن تعمیر کی ابتدا:

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اور دوسری بہت سی عمارتوں کی طرح اسلامی دنیا کی عمارتیں دنیا کے کسی بھی حصّے میں جہاں کہیں تعمیر ہوئیں وہ ایسے مقاصد کی تکمیل کے لیے تعمیر کی گئیں جن کو متعین کہا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ضرورت کی پیداوار ہیں۔ اگرچہ عمارتیں بنانے کا طریقہ کار ہر جگہ ہر زمانے میں خارجی حالات کا تابع رہا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف مقاموں پر فن تعمیر کا علم اور اس کی مہارت مختلف مدارج پر نظر آتے ہیں اور ان سے کام لینے کی قوت ہمیشہ تغیر پذیر سیاسی اور معاشی حالات پر منحصر ہوتی ہے یوں انسانی ضروریات کے ان خارجی حالات سے ٹکرانے سے فن تعمیر عالم وجود میں آتا ہے۔(13)

اسی طرح اسلامی فن تعمیر کا ابتدائی سبب بھی اُس زبردست مذہبی اور سیاسی انقلاب میں مضمر ہے جو ساتویں صدی کے نصف میں پیش آیا۔ جب کہ مسلمانوں نے بازنطینی سلطنت کے بہت سے صوبوں کو فتح کرلیا اور ایران کے ساسانی خاندان کا بھی خاتمہ

کر دیا۔ یہ طوفانی فضا ہی تھی کہ جس میں اسلامی فن تعمیر نے جنم لیا۔(14)

اگر چہ کہ اوائل عہد اسلامی میں مکے اور مدینے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے فن تعمیر کے نام سے موسوم کیا جا سکے۔اس وقت ایسی عمارتیں بنانے کا رواج تھا جو زندگی گذارنے کے لیے کافی ہوں۔ یہ عمارتیں رہائشی مقاصد کے لیے بنائی گئیں تھیں۔جبکہ عرب کے مختلف حصّوں میں فن تعمیر کی ترقی یافتہ روایت موجود تھیں۔صدیوں سے عرب کے مختلف خطے ترقی یافتہ تہذیب کا گہوارہ رہے تھے(15)

لیکن ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں فن تعمیر کی کوئی قابل ذکر روایت نہیں ملتی۔اسلام نے چونکہ مسلمانوں کی زندگی میں بلا کی سادگی پیدا کر دی تھی۔اس وقت مسجدیں عبادت کی غرض سے نمازیوں کی ضرورت کے لیے بنتی تھیں۔اور سایہ اور خلوت کی بنیادی ضرورت کو ممکن اور سادہ ترین طریقہ اور قابل حصول اشیاء کے ذریعے پورا کیا جاتا تھا۔مسلمانوں نے اس لیے بھی فن تعمیر میں دلچسپی نہیں لی کہ ان کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی عملی زندگی ایک نمونہ تھی آپ ؐ نے پوری زندگی ایک چھوٹے سے حجرے میں گذار دی۔ ہر طرح کی نمود و نمائش اور عیش و عشرت سے گریز کیا۔آپ ؐ کی یہ سادگی اور قناعت اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی اسی لیے آپ ؐ نے عمارت سازی کے فن جس میں بے جا نمائش ہو سخت ناپسند کیا ہے(16)

اس حوالے سے ابن سعد نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ''سب سے بدتر چیز جس میں مسلمانوں کا مال صرف ہو وہ تعمیر ہے۔''(17)

تعمیرات کے سلسلے میں آنحضرت ؐ کے اس طرز عمل کا اتباع خلفائے راشدہ نے اس طرح کیا کہ انھوں نے مسجدوں کے علاوہ کسی غیر مذہبی عمارت کی تعمیر میں ایسی دلچسپی نہیں لی جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہوتی یہ حضرات بھی آنحضرت ؐ کی طرح تعمیر کو فضول خرچی سمجھتے تھے۔(18)

پس یہ اسلام کی سادگی کا ہی درس تھا کہ جب مسلمان اپنے وطن سے نکلے اور دفاع کی حیثیت سے دوسرے ممالک میں قدم رکھا تو تب بھی مال و دولت کو حقیر سمجھتے رہے اور اپنے عقیدے اور ایمان کی پاسبانی پر فخر کرتے رہے۔عمارتوں کی طرف تو انھیں مطلق پروانہ تھی۔لیکن جلد ہی انھیں دو ایسی تہذیبوں کا سامنا کرنا پڑا جو ایک دوسرے سے کاملاً مختلف تھیں۔ان میں ایک (بازنطینی) کا تعلق تو اس علاقے سے تھا جو ایک ہزار سال سے قدیم یونانی اثرات کے ماتحت رہا تھا اور دوسری (ساسانی) کا اس خطے سے جو اس سے بھی زیادہ مدت سے ایرانی اثرات قبول کرتا چلا آ رہا تھا(19)

وہاں عالیشان عمارتیں ان کی فنی ذوق کی شاہد تھیں۔اب حکمرانوں کو اپنا نظریہ بدلنا پڑا۔جب دارالخلافہ مدینہ سے دمشق منتقل ہوا اور بنوامیہ برسر اقتدار آ گئے تو ان کے سامنے دمشق میں بڑے بڑے کلیساء اور عالی شان مندر تھے۔لہٰذا فاتحین کے لیے ضروری ہوا کہ وہ بھی بڑی مسجدیں اور ایوان حکومت تعمیر کریں جو بازنطینی کلیساؤں اور خانقاہوں سے زیادہ شاندار ہوں۔اب مٹی کی دیواروں اور دھابے(مٹی) کی چھتوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔اس لیے صحیح معنوں میں دمشق سے اسلامی فن تعمیر کا آغاز ہوا۔(20)

چنانچہ جب مسلمان عربوں نے فن تعمیر کی طرف توجہ کی تو ان کے سامنے شرقی فن تعمیر کے نمونے تھے۔اس لیے مسلمانوں کی اس عہد کی عمارتیں خاصی تعداد میں ایسی ہیں جن میں عیسائی اور اسلامی طرز کی آمیزش ہے۔ایران میں جب مسلمانوں نے عمارتیں تعمیر کیں تو ایرانی عربی طرز تعمیر نے جنم لیا جس کا بہترین اظہار اصفہان کی مسجدوں میں ہوا۔(21)

مسلمانوں کو ان مفتوحہ ممالک میں ہر ممکنہ قسم کے صناع اور ایسے ماہر ملے جو عمارتوں کے مرکزی خطوط کو مسلمہ اصولوں پر قائم کرنے میں مہارت رکھتے تھے.(22)ابتدا میں مسلمانوں کو اپنی تعمیرات کے لیے ان کاریگروں اور صناع پر انحصار کرنا پڑا جو وہیں کے باشندے تھے یا تعمیر کاری کے مقصد سے دوسرے مفتوحہ علاقوں سے لائے گئے تھے۔(23)

یہ طریقہ تعمیر بازنطینی حکومت میں رائج تھا کہ جو سرکاری عمارتوں کی تعمیر کے لیے بیگار لیتے تھے ملک کے ہر حصے سے معمار، بیلدار اور مزدور بلائے جاتے تھے جو اپنے فن میں مہارت رکھتے تھے۔اس طرح یونان، مصر، شام اور ایران کے انجینئر اور کاریگر مہیا کیے جاتے چنانچہ مسلمانوں نے اسی طریقے کو روا رکھا بجز اُن امور کے جو شرعاً ممنوع تھے تعمیر اور آرائش کے تمام مروج طریقے اختیار کیے(24)

چنانچہ اسی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی طرز تعمیر خواہ اس کا تعلق عمارتوں کے طرز سے ہو یا آرائشی نقش ونگار، مسلم حکمراں اپنے مفتوحہ ممالک کے فنون سے متاثر ضرور ہوئے تھے لیکن یہ عناصر اس طرح قبول کیے کہ وہ بعض فرائض کی بجا آوری میں مخل نہ ہوں اور نئے مسلم معاشرے کی ضرورت سے بھی ہم آہنگ ہوں(25) چنانچہ اس طرح ابتدا میں اسلامی فن تعمیر کی بنیاد رومیوں اور ایرانیوں کے فن تعمیر پر رکھی گئی۔عربوں نے ان سے سیکھا اور ان کا طریقہ تعمیر اختیار کیا۔لیکن سیکھنے کے بعد انھوں نے وہاں کی بعض روایتوں کو اپنایا اور بہت سی روایتوں کو ترک کر کے اپنے مخصوص طرز تعمیر کو فروغ دیا جو ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے جو ان کے مذہب کے عین مطابق ہے۔بلاشبہ یہ طرز تعمیر، عربوں کی فتوحات کے ابتدائی برسوں میں ایک ناقابل تردید

حقیقت ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اور ہر زمانہ میں مختلف الماخذ ہونے کے باوجود انفرادی خصوصیت کا حامل رہا ہے۔اس میں ایک ایسی بات ضرور ہے جو اسے فن تعمیر کے دوسرے مکاتب سے ممتاز و ممیّز کرتی ہے۔اس کی اس انفرادی خصوصیت کا ترشح صرف تعمیر ہی سے نہیں بلکہ اس فن سے بھی ہوتا ہے۔جو تعمیر کاری کی تہذیب کے لیے بروئے کار لایا گیا۔جہاں تک عمارتوں کی تنظیم کا تعلق ہے تو ابتداء میں مشرقی (بازنطینی و یونانی) اور ایرانی طرز کا اثر معلوم ہوتا ہے اس بناء پر کلیساء یا اس وقت تعمیر ہونے والی مسجد کے درمیان فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔لیکن جب ان عمارتوں کی نفسیات زیر بحث آتی ہے تو

لامحالہ ان میں فرق کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔کیونکہ مسجد کی طرز تعمیر میں نجات، سکون اور پناہ کا تصور مضمر ہے۔مسجد میں عبادت گذار کے لیے ایک ایسی فضاء مہیا ہوتی ہے، جہاں عبد اور معبود کے درمیان براہ راست روحانی رشتہ قائم ہوتا ہے اور یہاں کی در و دیوار پر ہونے والی اسلامی آرائش ایک خاص معنوی پہلو رکھتی ہے جو ناظر کے دل و دماغ پر حاوی ہو کر اسے غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اور حقیقت کبریٰ کا اعلان کرتی ہے۔اسی لیے اسلامی فن تعمیر بہر صورت اور بہر لحاظ انفرادیت کا حامل رہا ہے۔(26)

اسلامی فن تعمیر کا معنوی پہلو:

تعمیر کاری کے مختلف طریقوں کو وحدت اسلوب عطا کرنے کا کام اور وہ بھی اس طرح کہ ہر طریقے کی انفرادی خصوصیات برقرار رہیں۔صرف مذہب اسلام ہی انجام دے سکتا تھا۔بلاشک وشبہ کہا جا سکتا ہے کہ وہی اصول جس نے مختلف قوموں اور نسلوں کو ایک ہی رشتہ اخوت میں پرو کر انھیں ''بنیان مرصوص'' بنا دیا تھا۔فن تعمیر کے میدان میں بھی کارفرما رہا ہے۔(27)اسلامی فن تعمیر ہر گوشہ اور ہر پہلو سے مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔فن تعمیر میں یہ معنوی پہلو دراصل وہ عقائد و تصورات تھے جو مسلمانوں کے معاشرے کے عقیدے تھے یہ محض عقیدے نہ تھے بلکہ وہ قوانین و ضوابط تھے جن سے معاشرت کے اسالیب متعین ہوئے ان میں خدا کائنات اور انسان سے متعلق مخصوص تصورات پر زور دیا گیا ہے اسی لیے مسلمانوں کے نزدیک کوئی بھی فن ہو اس کا مقصود و مطلوب محض حظ اور مسرت نہیں بلکہ تسخیر ہے۔جس کا دوسرا نام عبادت ہے۔اسلام نے جس طرح زندگی کا تصور بدل دیا تھا۔اسی طرح فن کا تصور بھی بالکل تبدیل کر دیا تھا۔فن نقالی نہیں بلکہ عمل مطلق ہے جو عمل خیر ابھارتا ہے اور قرب و اتصال و روحانی کا وسیلہ بنتا ہے۔(28)

لہٰذا اسی تصور کو لیے مسلم معماروں نے دنیا میں جہاں کہیں بھی عمارتیں تعمیر کیں۔بالخصوص مذہبی عمارتیں (مساجد،

مدارس، خانقاہیں وغیرہ) ان میں ایک وحدت نظر آتی ہے۔ یہ وحدت درحقیقت اسلامی رنگ وسادگی تھی جس نے مسلم فن تعمیر کو پورے عالم میں ایک ہی پہچان بنادیا۔

ابتدائی برسوں میں اس کا یہ موقف آرائش اور حسن کاری کی شکل میں بتدریج نشو ونما پاتا رہا۔ اور بعد کی تعمیرات میں نمایاں ہوکر سامنے آیا(29) اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے ابتدا میں غیر مسلم صناعوں سے اپنی تعمیرات میں مدد لی۔ لیکن یہ مسلمانوں کا خاصہ ہے کہ جہاں بھی رہے تنہا اور شرکت غیرے سے اپنی جدت طبع سے ہر امر میں خاص تنوع پیدا کیا لہٰذا تعمیرات میں بھی ابتداء میں مسلمانوں نے اپنی عمارتوں کی آرائش وزیبائش کے لیے ایک خاص امتیازی طرز سامنے رکھا۔ جاندار نقوش سے اعراض کر کے مسلمانوں نے ان نقوش وبیل بوٹوں اور پھول پتیاں کا اختراع کیا جو اس سے قبل رائج نہ تھے(30) یہ نقش ونگار اپنے اندر ایک معنوی پہلو رکھتے ہیں۔

اُس وقت عمارتوں کی زیبائش وآرائش میں نقش ونگار اور صورت گری کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قدیم تہذیبوں میں پیکر تراشی، حسن کاری کا جزو لاینفک قرار دی جاتی تھی۔ اس طرز فکر کی کارفرمائی قدیم یونانی، رومی، ایرانی، ہندی بلکہ مسیحی کلیساؤں میں بھی نظر آتی ہے مسلمانوں نے بہت جلد اس سے پیچھا چھڑا کر ایک خاص اسلامی آرائش کا استعمال کیا۔ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے گستاؤلی بان کہتے ہیں کہ:

"تھوڑے ہی زمانے کے بعد عربوں کی عمارات نے ایک ایسی خاص وضع پیدا کرلی اور ان کی اندرونی آرائش اور گلکاریاں کچھ ایسی خاص وضع پر ترتیب دی گئیں کہ ان میں اور دوسری عمارات میں ایک بین فرق معلوم ہونے لگا۔ یہ ممکن ہے کہ اختلافات ملک کے لحاظ سے آرائشوں اور گلکاریوں کی ترکیب کہیں ایرانی اور کہیں مشرقی اور کہیں ہندی ہو۔ لیکن عمارت کی مجموعی وضع اور اس کے مختلف حصّوں کا تناسب ایک جیسا ہے۔"(31)

غرض اسلامی آرائش میں مسلمانوں کے اعلیٰ ذوق وکمال، ان کی مہارت اور علم ہندسہ کا ثبوت ملتا ہے، جو ان جاندار نقوش کا بدل تھا جو ابتدا میں مسلمان عربوں نے اختیار کیا اور یہی نقوش آج دنیائے فن تعمیر میں متمیز نظر آتے ہیں (32) اس کے لیے خطاطی کے فن کو بے حد فروغ حاصل ہوا جو صحیح معنوں میں اسلامی فن ہے۔ مسلم فن کاروں نے قرآن کی آیات واحادیث کو اس کمال سے نقش کیا کہ خطاطی کی لکیروں کے پیچ وخم سے دیدہ زیب اشکال بنائیں اور ان آرائشوں میں اشکال اور کتبوں کے ہم آغوشوں سے کچھ ایسی صورتیں بنائیں کہ جن کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں صرف مصوّر کا قلم ہی ان کو ادا کرسکتا ہے

لہٰذا اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ساتویں صدی کے وسط سے تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے جس طرز تعمیر کو فروغ دیا وہ اپنی الگ ہی پہچان رکھتا ہے۔ اگر چہ کہ ابتداء میں مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام سے

تعمیر کاری کے جو عناصر مستعار لیے ان کا بیش از بیش استعمال مسجد کی نسبت محل کی تعمیر میں ہوا۔ اس کی غالب وجہ یہ تھی کہ ان قوموں کا طرز تعمیر جس میں پیکر تراشی لازم جز و تھی، ایک ایسے مذہب کی عبادت گاہ کے لیے کلیتاً قابل قبول نہیں ہو سکتا جس کی اساس ہی وحدانیت پر رکھی گئی تھی (33) لہٰذا مسلمانوں نے طرز تعمیر کے ایسے لوازمات جو اسلامی عبادت گاہ کے لیے نا شائستہ تھے ان سے اجتناب برتا۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جس طرز تعمیر کو اختیار کیا وہ عیسائی مغرب کے حلقہ اثر سے باہر کی چیز تھی اگر کچھ مماثلت تھی تو محض سرسری سی۔ لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اس طرز تعمیر کو چھوڑ کر اپنی ذکاوت، جدت خیالی سے ایک ایسے طرز تعمیر کو فروغ دیا جو عمارتوں کی وضع قطع سے لے کر تعمیری آرائشی نقش و نگار کی بدولت صحیح معنوں میں اسلامی روایات کا آئینہ دار ہے، کوئی شخص فن تعمیر سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو، اسلامی عبادت گاہیں جو دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں۔ یہ دیکھ کر فوراً پہچان لے گا کہ یہ اسلامی طرز پر مبنی حامل عمارتیں ہیں۔ دراصل یہ باہمی مشابہت ان کے اعتقادات اور نظام سے پیدا ہوتی ہے۔ جسے بہت جلد مسلمانوں نے اپنے خیال اور ضرورتوں کے مطابق بنالیا۔ اور اس پر اپنی ذکاوت کی مہر ثبت کردی، یہی وجہ ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں عربی، ایرانی، ترکی اور ہندی کی تخصیص نہیں، جزئیات میں مقامی اثرات ہوں تو ہوں مگر بحیثیت مجموعی ہر جگہ ایک ہی مسلم طرز کی عمارتیں بنیں۔ جو وحدت اسلوب کی حامل ہیں۔ اور ان عمارتوں پر مسلمانوں کی انفرادیت کی گہری چھاپ ہے اور یہ انفرادیت دراصل مسلمانوں کے طرز تعمیر اور آرائشی نقش و نگار میں نمایاں ہیں جو اسلامی ثقافت کی پہچان بن چکی ہے جس کا جائزہ درجہ ذیل میں لیا گیا ہے۔

اسلامی فن تعمیر میں آرائشی نقش و نگار:

ابتدا ہی سے قدیم تہذیبوں میں عبادت گاہوں کی تعمیر میں نقش و نگار اور صورت گری کو خاصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ خاص طور پر قدیم تہذیبوں میں پیکر تراشی کو ایک اعتبار سے فن تعمیر کی تہذیب کے لیے ضروری سمجھا گیا۔ اس طرز فکر کی کارفرمائی آج بھی مختلف مذاہب میں نظر آتی ہے۔ جبکہ اسلامی تہذیب جو ایک خاص عقیدے کی حامل ہے۔ اور اس عقیدے کی بنیاد ایک خدا پر ایمان کی وجہ سے ہے جو کسی صورت مادی یا خیالی اظہار کی حدود کا پابند نہیں لہٰذا اس طرز فکر کی اسلام میں کسی طور پر گنجائش نہیں کیونکہ اسلامی آرائش جو فن کی دنیا میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلامی طرز تعمیر کی طرح بحیثیت مجموعی غیر صوری اور

لاتمثالی ہے اور ہر اس کیفیت کا سد باب کرتی ہے حقیقت کبریٰ کی تلاش میں گمراہ کن ہوسکتی ہے بہ الفاظ دیگر اسلامی آرائش اسلام کی پیوری ٹزم (Puritanism) کا جواز اور توضیح دونوں ہی کو پیش کرتی ہے (34) لہذا اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے بارے میں امکان شرک وشائبہ شک کے خلاف بے حد احتیاطیں اختیار کی گئیں۔ چنانچہ اس کے لیے اسلامی فن تعمیر میں عمارت کے ہر حصے کی تعمیر میں مقصدیت ہمیشہ پیش نظر رہی ہے۔ حتی کہ آرائش وزیبائش کو اولیت حاصل ہونے کے باوجود بلاضرورت کسی بھی آرائشی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ نقش ونگار واضح ہوتے ہیں۔ بالخصوص مسجد کے ہر حصے کی آرائش سے کوئی نہ کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے دراصل یہ اسلامی نقش ونگار ایک خاص معنوی پہلو رکھتے ہیں یہ نقش ونگار سادگی، وسعت اور خوبیوں کی وجہ سے کائنات کو ایک وحدت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یوں انسان کو اس عظیم تر کائنات کا ایک حصہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ غرض مسلمان عربوں کی ریاضیاتی صلاحیتوں نے نقش ونگار میں نئی جہتوں کی تلاش میں بڑی مدد دی اور یوں نقش ونگار کے ایسے نمونے وجود میں آئے جو ہمہ پہلو خوبیوں کے حامل تھے۔ (35)

چنانچہ مسلمان ماہرین فن تعمیر انسان وحیوان کی تصویر سے قطع نظر عمارتوں کو سجانے اور خوبصورت بنانے کے لیے فن خطاطی، ہندسی اشکال، فرضی بیل بوٹے کی طرف راغب ہوئے اس طرح نقش ونگاری کے فن میں مسلمان فنکاروں کو اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھانے کا موقعہ ملا۔ گویا تصویر اور مجسمہ سازی کی مخالفت مسلمانوں کے لیے آرٹ کے دوسرے دروازے کھولنے کا سبب بنی۔ اس کے لیے خواہ عمارت کا ڈھانچہ ہو یا در و دیوار کی آرائش و زیبائش ان میں ھندسی اشکال (Geometrical Design) خطاطی، نباتاتی تصویر کشی کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں نے خطاطی، نقاشی اور آرائش میں تجریدی پہلو ایجاد کیا اور اس کے لیے ھندسی اشکال اور خطاطی ہی نے نقش ونگار کو نئے زاویئے فراہم کیے اور یوں یہ فن اپنے عروج کو پہنچا اسلام سے قبل تجریدی فن کا کوئی وجود نہیں تھا (36) اور عربوں سے مخصوص ہوکر یہ فن (Arabesque) زخرفۃ العرب (عربی آرائش کا نام) کہلایا (37) جو ان مسلمان صناعوں کے لیے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

الغرض عمارتوں کی آرائش کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جیسے دیواروں پر پلاسٹر کر کے ان پر گلکاری کی جاتی، فن تعمیر اور اس کے معاون فنون جیسے پچی کاری، ہندسی اشکال، منبت کاری، مینا کاری، سیپ کا کام، کاشی کاری، چوبی نقاشی، خطاطی، کتبات نگاری غرض مختلف طریقوں سے عمارتوں کی آرائش کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کی جاتی۔ اگر چہ یہ صحیح

ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں ابتداء میں مصّوروں اور مجسمہ سازوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔لیکن بعد میں عمارتوں پر جانداروں کی تصویریں اور مجسمے بنانا عام طور پر بند کر دیے گئے اور ان فنون کی جگہ گلکاری اور خاص طور پر خطاطی نے لی۔پھر اس فن میں مسلمانوں نے وہ مہارت حاصل کی کہ جو کسی اور قوم کو نصیب نہ ہو سکی۔

اب ہم بر سبیل اختصار اُن آرائشی عناصر اور آرائش کے مختلف طریقوں کو بیان کریں گے جنھوں نے اسلامی فن تعمیر کو انفرادیت بخشی اور جو اسلامی فن تعمیر کی اپنی شناخت بن چکی ہیں۔

تعمیر و آرائش کے عناصر:

اینٹوں اور گچ (Stucco work) سے آرائش:

ابتداہی سے مسلمان فن کاروں میں عمارتوں کو مختلف طریقوں سے سجانے اور خوبصورت بنانے کا رجحان رہا ہے چنانچہ در و دیوار کی آرائش کے لیے مسلمانوں نے ہر دور میں کسی بھی علاقے میں دستیاب ہر اس شے کو استعمال کیا جو استعمال ہو سکتی تھیں اور دستیاب تھیں مثلاً اینٹیں،لکڑی،مصنوعی مسالہ غرض ہر اُس ذریعہ تعمیر سے استفادہ کیا گیا۔آرائش کے سلسلے میں بھی ان ذرائع کا بھرپور استعمال کیا گیا۔مثلاً اینٹوں کا استعمال صرف عمارت کا ڈھانچہ بنانے کے لیے ہی استعمال نہیں کیا۔بلکہ عمارتوں کی آرائش کے لیے بھی اینٹیں استعمال کی گئیں۔مثلاً عمارتوں میں اینٹوں کے پرت اس طرح بنائے گئے کہ اس سے مختلف ہندسی اشکال نے جنم لیا۔اس کے لیے عمارتوں میں اینٹوں سے پر پیچ و خم سیدھی لکیریں بنائی جاتیں۔گنبدوں اور میناروں کی گولائیوں کی سطح کاری کے لیے بھی اینٹوں کا استعمال کیا جاتا۔(38)

معمولی اینٹوں پر بھی عمدہ نقش و نگار بنائے جاتے جبکہ آرائشی اینٹیں مٹی کی بنی ہوئی بھورے رنگ کی ہوتی تھیں لیکن ایسی اینٹیں بھی استعمال کی جاتیں جو مختلف رنگوں میں بنائی جاتی تھیں۔اینٹوں پر خاص مسالہ چڑھا کر انھیں چمکدار اور ہموار بنایا جاتا تھا(39) سب سے پہلے اندلس کے مسلمانوں نے آرائش کے لیے مینا کار اینٹوں کا استعمال کیا جو دسویں صدی میں شروع ہوا۔ان کی بنائی ہوئی اینٹیں تمام دنیا میں جاتی تھیں بلکہ اطالیہ نے مسلمانوں سے ہی ان مینا کار اینٹوں کو بنانا سیکھا۔الحمراء میں ان مینار کار اینٹوں کی بے نظیر استر کاری دیکھی جا سکتی ہے۔اگرچہ کہ وہ زمانے کے دست و برد سے کافی دھندلا چکی ہے۔لیکن پھر بھی ان کی آرائش کسی حد تک باقی ہے۔(40)

جہاں پتھروں کی کمی تھی وہاں گچ کے استر سے نقاشی کی گئی۔عباسی دور میں گچ اور استر کاری پر نقش و نگار بنائے جاتے

تھے اس کے لیے دیوار پر استر کاری کے بعد یہ سانچے رکھ کر مسالے کو اس طرح دبایا جاتا کہ سانچے کے نقش ونگار مسالے پر اُتر آتے۔ اس طرح بہت خوبصورت اور بہت کم محنت سے نقش ونگار بن جاتے یہ طرز ساسانی عہد کی یادگار تھا عہد امویہ سے جب اسلامی فن تعمیر کا صحیح معنوں میں آغاز ہوا تو اموی حکمرانوں کے عہد سے شام، دمشق، اردن کی عمارتوں میں استر کاری کے اس طریقے کو دیواروں اور چھتوں پر اس کو آرائشی کوٹنگ کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح عہد امویہ کے بعد کی اسلامی عمارتوں کی آرائش کا یہ اہم طریقہ رائج ہو گیا۔ جو دیواروں، دروازوں اور محرابوں کے حاشیوں اور میناروں وغیرہ کی خطاطی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔(41)

آرائشی طاقچے:

مسلمانوں کو سادہ اور خالی دیواریں تو کجا، عمارت کے کسی بھی حصے کی خالی سطح اور کونوں تک کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مسلمان عربوں نے خالی سطح کو پُر کرنے کے لیے آویزے ایجاد کیئے جن کی صورت مثلث کروی کی سی ہوتی تھی۔ گویا آویزاں کی ایجاد بھی خالص مسلمانوں کی ہے اور ان طاقوں اور آویزے کا استعمال پہلی بار جزیرہ صقلیہ میں دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے۔ ان طاقوں کے بارے میں ڈاکٹر گستاوؤلی بان کہتے ہیں کہ:

''دیواروں کے گوشوں اور زاویہ قائمہ کو خالی نہ رکھنے کی غرض سے اور مربع حجروں اور گول چھتوں کی درمیانی جگہ کو بھر دینے کی غرض سے عرب ابھرے ہوئے طاق بنایا کرتے تھے۔ جس کی صورت مثلث کروی کی سی ہوتی تھی۔ ان طاقوں کا نام اصطلاح میں ''آویزہ'' رکھا گیا۔ کیونکہ یہ گویا خالی جگہ پر آویزاں ہیں اور چونکہ یہ طاق باقاعدہ اور یکساں بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے اندر بتدریج آرائش بڑھائی گئی۔ جن کی اخیر صورت وہ ہو گئی جو قلمی آرائش کے نام سے مشہور ہیاور جو شکل میں شہد کی مکھی کے چھتے سے مشابہ ہے۔''(42)

مزید برآں ان کا کہنا ہے کہ:

''طاقوں میں قلمی آرائشوں کا استعمال کرنا خالص عربوں کی طرز ہے اور اُس وقت تک کسی اور قوم کی تعمیر میں یہ ایجاد نہیں پائی گئی۔ بارھویں صدی عیسوی کے بعد سے یہ طرز آرائش کل اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ یہ آرائش میناروں کے کٹہروں کے نیچے جہاں ان کے اور دیواروں کے تقاطع سے قائمہ زوایے بنتے تھے بنائی جاتی تھی۔ مساجد کی محرابی چھتوں میں ان مقامات پر جہاں چھتیں دیواروں سے ملتی ہیں۔ مربع عمارات کے گنبدوں کے نیچے اور اسی قسم کے اور خالی مقامات میں اس آرائش

کا استعمال ہوتا تھا۔"(43)

غرض آرائش کے لیے ان طاقوں کا کثرت سے استعمال کرنا خاص عربی طرز کی خصوصیات میں سے ہے۔ جہاں کہیں بھی انھوں نے عمارتیں تعمیر کیں، وہیں ان کا استعمال بکثرتِ نظر آتا ہے جو ان کی جدت طرازی اور ان کے صنعتی مذاق کو ثابت کرتا ہے تو وہیں یہ مسلم فن تعمیر کو دیگر مذاہب کے طرز تعمیر سے ایک الگ انفرادی مقام عطا کرتا ہے۔

ھندسی اشکال(44) کی آرائش(Geometrical pattern):

مسلم فن تعمیر میں خواہ عمارت کا ڈھانچہ اور ھیکل ہو یا در و دیوار کی آرائش و زیبائش ہو اس میں ھندسی اشکال اور نباتاتی تصویر کشی کو اساسی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسلام میں جانداروں کے مجسمے اور تصویریں بنانے کی ممانعت کی وجہ سے مسلمان معماروں نے جانداروں کی تصویروں کی بجائے ہندسی اشکال کی آرائش پر توجہ کی اور اس فن میں ایسی مہارت حاصل کی کہ کوئی قوم اس فن میں ان کے مدمقابل نہ آسکی (45) اندلس کے مسلم ماہر فن تعمیر نے عمارتوں کی تعمیر میں اور آرائش میں علوم ہندسہ و الجبراء اور جیومیٹری کا بھرپور استعمال کیا۔ اس حوالے سیاسکاٹ لکھتا ہے کہ "اندلس کے عربوں نے ریاضی کو زیادہ اہم جانا اور انھیں اس میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنی عمارتوں کی تعمیر میں اس سے بہت کام لیا۔ بلکہ یہ بات پایہ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ اندلس کے کئی شہروں کی درس گاہوں میں ہندسہ اور الجبراء کے ساتھ انجینئرنگ یعنی نقشہ کشی اور عمارتیں بنانے کی عملی تعلیم دی جاتی تھی۔"(46)

اگرچہ کہ ہندسی اشکال کا یہ فن ظہور اسلام کے تقریباً دو سو سال بعد یعنی ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں وجود میں آیا اور دو صدیوں تک ارتقاء پذیر رہا اور پھر یہ ترقی یافتہ شکل میں اندلس کی عمارتوں کی آرائش میں نظر آتا ہے۔ ہندسی شکال کا پہلی بار استعمال مسجد الحاکم (فاطمی دور 990ء) میں ہوا ہے۔ اس عمارت میں اس فن کے اظہار کے لیے پتھروں کو تراشا گیا۔ ابتدا میں چار کونوں والے ستارے بنائے گئے۔ پھر یہ چھے، آٹھ اور آخر میں دس کونوں والے بنائے جانے لگے۔ ہندسی اشکال کی آرائش لکڑی، پتھروں اور اسٹکوں پر کی جاتی تھی۔ اس آرائش میں ہندسی اشکال کی تمام ممکنہ صورتیں نظر آتی ہیں۔ درآں حالیکہ شش پہلو اور ہشت پہلو ہندسی اشکال بنانا مشکل ہے۔ لیکن عربوں کو اس میں مہارت حاصل تھی۔(47)

اس کے علاوہ آرائشی مقاصد کے لیے ھندسی اشکال ہمیں خطاطی اور نقش و نگار میں بھی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ مساجد ہوں یا مدارس، خانقاہیں ہوں یا مقابر، یہاں تک کہ محلات اور دیگر عمارتوں کے در و دیوار یا مقابر یہاں تک کہ محلات اور دیگر

عمارتوں کے درودیوار پر خطاطی کے جوفن پارے نظر آتے ہیں وہ بے ساختہ داد وتحسین پر مجبور کرتے ہیں۔دراصل وہ انہی هندسی اشکال کی مرهون منت ہیں۔مسلمانوں کی تعمیر کردہ شاید ہی کوئی ایسی عمارت ہو۔جس پرقرآنی آیات،احادیث،دعائیں،اقوال زریں،ضرب الامثال یا عربی وفارسی کے دیگر زبان زدعام کلمات یا اشعار تحریر نہ ہوں جو هندسی اشکال کی مرہون منت ہوتی تھیں۔اور یہ عبارتیں خوبصورت بیل بوٹوں کے حاشیوں سے مزین مربع،مستطیل،دائرہ اور مثلث چوکھٹوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ خوشنما رنگوں سے تحریر کی جاتی تھیں۔(48)

غرض ان هندسی اشکال کے فن نے اہل نظر سے بے ساختہ داد تحسین حاصل کی اور صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی ان کی تابندگی باقی ہے۔اگرچہ کہ بعض اوقات هندسی اشکال کی پیروی میں فنی اعتبار سے بعض اغلاط بھی رہ جاتی تھیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہنرمندوں کی مہارت اور رنگوں کی خوشنما آمیزش کی بناء پر عموماً شاید ہی ان کی طرف کسی کی توجہ مبذول ہوتی ہوگی۔

پچی کاری(49)(Mosaic) کا کام:

ظہوراسلام سے قبل یونان،روم،شام اور مصر میں یہ فن عام تھا۔ابتدا میں رومی،شام کے مسلمانوں کو پچی کاری اور فن تعمیر کے ماہرین مہیا کرتے تھے۔انہی ہی لوگوں سے مسلمانوں نے یہ فن سیکھا۔ یونان کے گرجوں،قسطنطنیہ کی آیا صوفیہ(قسطنطنیہ کا کلیساء جو فتح قسطنطنیہ کے بعد آیا صوفیہ کے نام سے مسجد میں تبدیل کردیا گیا)اور بیت المقدس کی مسجد قبۃ الصخرہ اور قاہرہ کی مختلف مسجدوں میں پچی کاری کا کام موجود ہے۔(50)

لیکن علی الخصوص مسجد قبۃ الصخرہ کے گبند پر انواع واقسام کی رنگ آمیزیاں پچکاریاں اور پیچیدہ گلکاریاں ہیں جو عربی صنعت کے خواص میں سے ہیں۔جوایک دوسرے سے ہم آغوش ہورہی ہیں(51)جس کا کوئی جواب نہیں۔یہ گنبد 1022ء میں جو عربی صنعت کی اعلیٰ ترقی کا زمانہ ہے اسی زمانہ میں یہ دوبارہ تعمیر ہوا تھا اور اسی وجہ سے اس گنبد کی اندرونی آرائش نہایت عمدہ ہے۔مسلمانوں کی پچی کاری کا ایک اور بہترین نمونہ اُس حمام کا فرش ہے جو خربۃ المفجر (اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا صحرائی محل)میں بنا ہوا ہے۔یہ عمارت اگرچہ زمین میں دب گئی تھی لیکن بیسویں صدی کے شروع میں کھود کر نکالی گئی۔(52)
گوکہ اسلامی فن تعمیر کیا بتدائی عہد میں مسلموں اور غیر مسلموں کی عمارتوں میں پچی کاری کا کام تقریباً ایک ہی انداز کا ہے۔پتھر کو کھود کر اُس میں رنگین شیشے اور پتھر بھرے گئے ہیں۔اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے گستاؤلی بان نے لکھا ہے کہ:

''وہ پچی کاری جو میں نے یونان وروم وشام ومصر میں دیکھی اور جو نمونے ایتھینس کے مشرقی گرجوں اور قسطنطنیہ کی آیا صوفیہ میں اور بیت المقدس کی مسجد حضرت عمرؓ اور مختلف مساجد قاہرہ میں میری نظر سے گذرے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سب کا کام یکساں ہے۔'' (53)

مزید برآں وہ آگے لکھتے ہیں: ''اگر چہ کہ پچی کاری کا یہ فن بازنطینی و یونانی (مشرقیوں) سے مسلمان عربوں نے لیا۔لیکن تھوڑے ہی دنوں میں بہت کچھ تبدیلی کی۔مسلمان عربوں میں دو قسم کی پچی کاری مروج تھی۔ایک تو وہ جو فرش اور دیواروں کے لیے مستعمل تھی اور سنگ مرمر کے ٹکڑوں اور چھوٹی بڑی مختلف رنگوں کی مینا کارانیٹوں سے بنتی تھی اور دوسری وہ جو دیواروں پر اور علی الخصوص محراب کی دیواروں پر جمائی جاتی تھی۔یہ اخیر قسم کی دست کاری مشرقی طرز کی ہے۔(54)

غرض یہ کہ پچی کاری کے کام میں مسلمانوں نے بہت جلد وہ مہارت حاصل کر لی۔جو عربی صنعت کے خواص میں شامل ہے۔بلکہ بعد کے عہد میں ترکوں اور اس کے بعد مغلوں نے بھی بالخصوص شاہجہانی دور میں پچی کاری کے کام میں وہ نفاست حاصل کی جس کا جواب نہیں ملتا۔اور جو کوئی بھی ان عمارتوں کو دیکھتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

کاشی کاری(55)(Tiling):

عمارتوں کی آرائش کے لیے مختلف رنگوں میں چمکتے ہوئے چوکور Tiles کا استعمال اسلامی فن تعمیر میں بہت عام ہے۔یہ مختلف رنگ میں ہوتے تھے۔لیکن عام طور پر زرد، سبز، سرخ رنگ کے چوکے بہت زیادہ استعمال کیے جاتے تھے۔یہ ٹائلز ضرورت کے مطابق مختلف سائز کے ہوتے تھے دیواروں، گنبدوں اور میناروں وغیرہ کی آرائش کے لیے یہ ٹائلز استعمال کیے جاتے تھے۔کاشی کاری کا یہ فن اسلامی فن تعمیر سے پہلے اشور اور بابل کے کئی شہروں میں عرصہ دراز سے رائج تھا۔(56) جبکہ مسلمانوں میں سب سے پہلے اموی دور میں یروشلم میں گنبد صخرا میں ٹائل کا استعمال کیا گیا۔خلفائے عباسیہ کے عہد میں اس فن کو بہت عروج حاصل ہوا۔اور اندلس کے معماروں نے ٹائلز بنانے اور لگانے کے فن میں جو ترقی کی اس کی گواہ وہ عمارتیں ہیں۔جن میں یہ ٹائلز اس خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں کہ جو آج بھی اپنے فن کاروں کی صناعی اور ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔قصر الحمراء میں یہ کام اپنی انتہائی حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔یہ ٹائلز دندانہ دار بنائے جاتے تھے جو صناعین اندلس کی مہارت اور جدت تخیل کی واضح دلیل ہیں (57) جبکہ سولہویں صدی سے سترہویں صدی عیسوی تک اس فن نے ایران اور اس کے بعد ترکی میں بہت زیادہ ترقی کی۔بلکہ یہ ایران کا مخصوص آرائشی فن سمجھا جاتا تھا۔(58) ایران کی سب سے معروف تعمیراتی

شاہکاروں میں سے ایک سترہویں صدی میں اصفہان میں واقع شاہ مسجد ہے(59) جس میں کاشی کاری کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ان ٹائلز (چوکوں) پر پھولوں، ہندسی نمونوں کا کام کیا جاتا تھا اور سجاوٹ کے لیے عمارتوں کی دیواروں پر کاشی کی یہ ٹائلز لگائی جاتی تھیں۔

اس میں اکثر قرآنی آیتیں یا فارسی رسم الخط لکھے گئے۔یہ فن 16 صدی سے 18 صدی کے دوران ترکی میں عثمانیوں میں منتقل ہوگیا اور وہاں ترک مسلمانوں کو اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔اور یہاں کی عمارتوں میں کاشی کاری کا استعمال وسیع پیمانے پر ہوا۔جو مساجد کے ساتھ ساتھ محلات مزارات اور مقبرے کی آرائش کے لیے استعمال کیا گیا اس طرح اس فن نے ایران اور ترکی میں بہت زیادہ ترقی کی۔دائرہ معارف الاسلامیہ میں ترکی کے اس فن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''سلیم اول نے چینی کی کاشی کاری کی صنعت کو تبریز سے ازنیق میں منتقل کیا۔سلیمانیہ (استانبول) کی عمارت (1550 تا 1557ء) نے بھی ازنیق کی کاشی کاری میں نئے اسالیب پیدا کیے۔طوپ قپوسرای میں سنان پاشا (ترکی معمار) کے زیر ہدایت مجلس تعمیرات کے ماتحت 580 صناع مصروف کار تھے جن میں اکتالیس نقاش اور زینت کار تھے۔ان میں سے بعض نے کاشی کاری میں گل بوٹوں کا نیا انداز ایجاد کیا۔جس میں لالہ، گلاب، سنبل اور گلنار جیسے پھولوں کی شاخیں اور ثمر دار درختوں کی شگوفوں سے لدی ڈالیاں بھی شامل تھیں۔سلطان سلیمان قانونی کی شش مینار مسجد کے ٹائیلوں پر بھی پہلی دفعہ درخشاں شنگرف کی موٹی تہیں نظر آئیں اور کچھ عرصے کے لیے کاشی کاری کی رنگارنگی کو ایک نئی شان مل گئی پھر اٹھارویں صدی کے وسط میں ٹائلز بنانے کی صنعت یا فن معدوم ہوگیا۔''(60) جبکہ پاکستان میں سندھ، کچ اور ملتان میں بھی نیلی، سفید اور سبز رنگ کے ٹائلوں سے مزین مزارات اور مساجد کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

الغرض مسلمانوں کی آرائش کی کوئی بھی صنعت ہو ان میں سے بعض صنعتیں اکثر خوبصورتی اور رعنائی اور جدت سے بھری ہوئی ہیں۔ان میں ہم کاشی کاری کو پیش کرسکتے ہیں۔کاشی کاری کی اس صناعی کے بڑے بڑے نمونے ان کی وہ عمارتیں اور یادگاریں ہیں جو کافی بڑی تعداد میں اسلامی ممالک میں موجود ہیں اور جو اسلامی فن تعمیر کی اس خصوصیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

سنگ مرمر کا استعمال:

سنگ مرمر یہ بھی ایک قیمتی سفید پتھر ہے۔ابتداء میں آرائش کے لیے مسلمانوں میں اس کا استعمال نظر نہیں آتا۔عرب چونکہ

ابتدا میں اپنی عمارتیں اینٹیں اور گارے سے تعمیر کیا کرتے تھے۔ جب کہ رومیوں اور یونانیوں میں سنگ مرمر کا استعمال بہت ترقی یافتہ شکل میں تھا۔ کیونکہ یونانیوں اور رومیوں کو سفید عمارتیں اور مجسمے پسند تھے۔ جن میں وہ سنگ مرمر کا استعمال کیا کرتے تھے۔ جب کہ اس کے برعکس عرب مسلمان شوخ، چمکتے ہوئے رنگوں کے دلدادہ تھے۔ عربوں کی پہلی عمارت جس میں سنگ مرمر کا استعمال ہوا تھا، وہ کوفے کی مسجد ہے۔ جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس مسجد میں ایک سائبان تعمیر کیا گیا جس کی چھت کو سنگ مرمر کے چھتیس (36) ستونوں کا سہارا دے کر بنایا تھا۔ اس سائبان کے ستون کوفے سے چار میل دور حیرہ (عراق کا شہر) کی ان شکستہ عمارتوں سے حاصل کیے گئے تھے جنھیں لخمی بادشاہوں نے تعمیر کیا تھا۔ عہد اموی کی عمارتوں میں سنگ مرمر کا استعمال بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ درحقیقت اسلامی فن تعمیر میں سنگ مرمر کا استعمال عہد عباسی میں ہوا۔ بغداد کی بیشتر عمارتوں میں سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا۔ ان عمارتوں کی دیواریں، فرش اور فوارے سنگ مرمر سے بنائے گئے اور بعض عمارتیں تو مکمل سنگ مرمر کی بنائی گئیں۔ مثلاً خلیفہ ہارون الرشید نے دریا دجلہ کے کنارے ''قصر رصافہ'' اور ''جامع رصافہ'' کی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ یہ دونوں عمارتیں مکمل سنگ مرمر کی بنائی گئی تھیں۔ (61)

دیواروں کے علاوہ سنگ مرمر کا استعمال جالیاں بنانے میں بھی کیا گیا۔ اسی طریقے سے اندلس میں ''مسجد قرطبہ'' کی تزئین و آرائش کا کام کیا گیا اس کے علاوہ سنگ مرمر کی جالیوں سے یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا تھا کہ ان میں سے ہوا اور روشنی گذر کر آتی رہے لیکن دھوپ کا گذر نہ ہو (62) عمارتوں کو روشن رکھنے اور تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے دیدہ زیب سنگ مرمر کی رنگین جالیاں بنانا یہ ایک ایسی خوبی ہے جو صرف اسلامی فن تعمیر میں ہی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں آرائش کے لیے سنگ مرمر کا بکثرت استعمال ہمیں ہندوستان کے اسلامی فن تعمیر میں بھی نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی فن تعمیر میں پہلی بار سنگ مرمر جو آرائش کے لیے استعمال کیا گیا وہ التمش کے مقبرے میں ہوا۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی کی تعمیر ''علائی دروازہ'' (63) (دہلی) (جس میں عربی، ایرانی، ہندی مذہب کا طرز تعمیر مجتمع ہے لیکن عمارت کا مجموعی طرز عربی ہے) میں سنگ مرمر کا استعمال ہوا۔ اس کی روکار کی سجاوٹ کے لیے سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا۔ اور سنگ مرمر کی نہایت خوبصورت اور نازک جالیاں لگائی گئی ہیں۔ اسی طرح غیاث الدین تغلق کے مقبرے کا گنبد سنگ مرمر کا بنایا گیا اور سنگ مرمر سے ہی مقبرے کے روکار کی آرائش کی گئی۔ لیکن ہندوستان میں صحیح معنوں میں سنگ مرمر کا استعمال مغلوں نے کیا (64) علی الخصوص شاہجہانی دور کی تعمیرات کی نمایاں خصوصیات میں عمارتوں کی نزاکت، تناسب اور سنگ مرمر کا بکثرت استعمال ہے (65) شاہجہاں کے دور کی سب سے

خوبصورت عمارت ''تاج محل'' ہے۔ جو مکمل طور پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ جس میں فن تعمیر و تزئین عمارت کا انتہائی نقطہ کمال نظر آتا ہے۔ اور آج بھی اس کا شمار دنیا کی لا ثانی عمارتوں میں ہوتا ہے۔ اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر سے بنی ہوئی یہ عمارت دیکھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اس کی خوبی اور صناعی کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں صرف دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (66) اگرچہ کی اس کی تعمیر میں صدیاں گذر گئیں لیکن آج بھی وہ ویسی ہی ہے جیسا کہ وہ تعمیر کے وقت تھی۔ تاج محل کے بارے میں گستاؤلی بان کا کہنا ہے کہ ''کُل سیاحوں کی رائے ہے کہ یہ عمارت منجملہ عجائبات روزگار ہے۔'' (67)

ایک اور جگہ گستاؤلی بان ایک فرانسیسی ماہانہ رسالہ (پتورسک میگزین) میں اس عمارت (تاج محل) کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ساری عمارت سفید جلا کیے ہوئے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اور جس وقت اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں اور نظر نہیں ٹھہرتی۔ اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لیے کچھ چاندہی کی روشنی موزوں ہے۔ سنگ مرمر کی کندہ کی ہوئی سلیں جن میں ایک بینظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی پنکھڑیاں اور عربی گل کاریاں بنی ہوئی ہیں۔ پتلے پتلے ستون، پر تکلف چوکھٹے، غلام گردشیں، جن میں روشنی کے لیے جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ خالص سنگ مرمر کی باریک جالیاں، مختلف قیمتی پتھروں کی شوخ رنگ پچی کاری، سنگ موسیٰ کے کتبے۔ غرض جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھا وہ یہاں افراط کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں نہیں ہے۔ (68)

اگرچہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عمارتوں کو تعمیر ہوئے صدیاں گذر گئیں لیکن ان میں سے بعض عمارتیں ویسے ہی موجود ہیں جیسا کہ روز اول میں تھیں اور یہ اسلامی طرز تعمیر کی صناعی کی خصوصیات سے مزین ہیں اور اس عہد کی یادیں تازہ کرتی ہیں۔

نسخی گل کاری، خطاطی اور کتبے نگاری:

نسخی گل کاری اسلامی فن تعمیر میں عمارتوں کی آرائش میں نسخی گلکاریوں کو غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ مسلم فن تعمیر کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ کوئی شخص فن تعمیر سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو وہ فوراً ان عمارات کو پہچان لے گا کہ یہ مسلم فن تعمیر کا شاہکار ہیں۔ ان آرائشوں میں ہندسی اشکال اور کتبوں کی ہم آغوشیوں میں کچھ ایسی صورتیں بنائی گئی ہیں جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نسخی گلکاریاں پتھر پر تراشی جاتی تھیں جس کو قاہرہ کی مسجدوں میں یا اندلس کے قصر الحمراء میں دیکھا

جا سکتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی بنی ہوئی ہر عمارت پر نسخی گلکاری مسلم فن تعمیر کی ایسی شناخت بن چکی ہے جو اسے دیگر غیر اسلامی فن تعمیر سے انفرادیت بخشتی ہے ان آرائشوں میں عربی حروف کا بہت بڑا حصّہ ہے اور یہ نہایت خوبصورتی سے نسخی گلکاروں میں گھل مل جاتے ہیں۔(69) غرض آرائش کے لیے عربی زبان کا استعمال کرنا یہ ایک ایسی خوبی ہے جو صرف اسلامی فن تعمیر میں ہی نظر آتی ہے۔

خطاطی:

خطاطی کیلیے ''عربی'' دنیا کی وہ واحد زبان ہے جو عمارتوں کے لیے استعمال کی گئی اور اس کے لیے با قاعدہ خطاطی کا فن وجود میں آیا۔ اگرچہ کہ خطاطی (خط کی مصّوری) کا سب سے زیادہ جمیل استعمال قرآن مجید کی کتابت میں ہوا۔ اور اس کے لیے کئی طرز معرض وجود میں لائے گئے قرآن مجید سے اس خصوصی تعلق کے علاوہ خطاطی کا استعمال کتابوں کی کتابت، قالینوں میں، فرامین کے علاوہ مسجدوں اور قلعوں کی پیشانی پر اور بعض اوقات عمارت کے اندر بھی اور پھر روضوں اور مرقدوں کی دیواروں پر بھی ہوتا رہا ہے۔(70) بیشتر عمارتوں پر قرآن کی پوری آیتیں کندہ کی گئیں۔لیکن ایسی بھی عمارتیں ہیں جن پر ایک ہی لفظ بار بار لکھ کر آرائش کی گئی اور ایسی بھی عمارتیں ہیں جن پر اللہ، محمد، علی، حسن، حسین اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کندہ کیا گیا یا لکھا گیا۔ اس طرح کی خطاطی تیرہویں صدی کے بعد ایران، مصر، شمالی افریقہ، اناطولیہ اور ہندوستان کی عمارتوں پر ملتی ہیں۔(71)

مسلم دنیا کی عمارتوں پر کی گئی خطاطی سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیتیں پتھروں پر کندہ کی گئیں، گچ کی استر کاری پر لکھی گئیں۔ اس مقصد کے لیے کاشی کاری، پچی کاری اور مینا کاری کی صنعتیں استعمال کی گئیں۔ مختلف رنگوں سے دیواروں پر لکھی گئیں اور مخصوص ساخت کی اینٹیں بنا کر ان سے آیتیں لکھی گئیں۔(72) چونکہ مسلمانوں نے فن تعمیر میں گل کاری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اس لیے خطاطی اور گل کاری کی آمیزش سے حسین ترین سجاوٹ پیدا کی گئی۔ اس کے لیے یہ کیا گیا کہ عربی خطاطی کے آس پاس جو جگہ بچی اس پر بیل بوٹے اور خوب صورت پھول بنا دیئے گئے اور یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا کہ بیل بوٹے بنائے اور پھر اس پر آیت اس طرح لکھی کہ دونوں کا حسن دو بالا ہو گیا۔ یعنی عربی حروف کو گل کاری میں اس طرح گھلا ملا دیا کہ غور کرنے ہی پر معلوم ہوتا ہے کہ آرائش میں قرآن کی آیت بھی ہے۔ اسی لیے ازمنہ وسطیٰ اور نشاۃ الثانیہ کے عیسائی آرائش کار، مسلم عمارتوں پر گل کاری اور عربی حروف پر فرق نہیں کر سکے انھوں نے جب اپنی عمارتوں پر مسلم آرائش کی

نقل کی تو عربی حروف کو بھی گل کاری سمجھ کر اپنی عمارتوں پر محض آرائش سمجھ کر نقل کر دیا۔(73)

بقول ڈاکٹر گستاؤلی بان ''موسیو لانگ پیریر اور موسیو لا دواء اور دوسرے مصنفین نے ان کی مثالیں اکثر اطالیہ میں دیکھی ہیں۔اس آخر الذکر مصنف نے تو میلان (اٹلی کا شہر) کے بڑے کلیسے کے بیت الخدمت میں ایک نکیلا محراب دار دروازہ دیکھا ہے جس کے گرد پتھر کی گلکرتھی اور اس پر ایک عربی لفظ متعدد بار لکھا ہوا تھا۔کلیسائے سینٹ پیٹر کے اس دروازے پر جہاں پوپ یوژین چہارم کی مورت ہے ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے۔افسوس ہے کہ اس مصنف نے ان کتبوں کا ترجمہ دیا ہے۔کیا عجب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سر کے گرد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہو۔''(74)

الغرض عمارتوں پر خطاطی کے ذریعے آرائش کے رواج کی وجہ سے فن خطاطی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔جو خالص اسلامی فن ہے جسے مسلمانوں نے دل کش و دل آویز بنا دیا۔شاید ہی مسلمانوں کی کوئی سرکاری یا نجی عمارت ہو جس پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال زریں، ضرب الامثال یا اشعار تحریر نہ ہوں جو خطاطی کی لکیروں کے پیچ و خم سے نئے دیدہ زیب اشکال اختیار کر جاتے ہیں۔

کتبہ نگاری:

اسلامی فن تعمیر میں نسخی گل کاریوں کے ساتھ ساتھ کتبہ نگاری کو بھی غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔کتبہ نگاری کے لیے عربی زبان کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔اس کی وجہ عربی رسم الخط کی خوبصورتی، قرآن شریف اور مسلمانوں کا مذہبی جوش ہے۔اسی مذہبی بنیاد کی وجہ سے جو ادب اور احترام عربی زبان کو مسلم دنیا میں حاصل ہوا، وہ دنیا کی کسی بھی زبان کو نہیں ملا۔اس لیے کتبہ نگاری کے لیے مقامی زبان کا استعمال کم کیا گیا۔ہاں عمارت کا مقصد ضرور مقامی زبان میں کندہ کیا گیا۔لیکن آرائش کے لیے سو فیصدی قرآن شریف کی آیتیں ہی استعمال کی گئیں۔(75)

ہندوستان میں مقصدی کتبے بیشتر فارسی میں اور کچھ اردو میں ہیں اور ان دونوں زبانوں کے لیے عام طور سے خط نستعلیق استعمال کیا گیا۔لیکن عمارت کی آرائش کے لیے ان زبانوں کا استعمال کسی بھی عمارت پر نہیں ہے۔(76) اگرچہ کہ اسلامی فن تعمیر کے وجود میں آنے سے پہلے یونانی عمارتوں پر یونانی زبان میں کتبے لگائے گئے تھے۔مگر یہ کتبے عمارت کا محض مقصد بتانے کے لیے ہوتے۔ان پر نام یا تاریخ یا دونوں کندہ ہوتے تھے۔''عربی'' دنیا کی وہ واحد زبان ہے جسے عمارت، ظروف اور دوسری چیزوں کی آرائش کے لیے استعمال کیا گیا۔آرائش کے طور پر کتبہ نگاری کا قدیم ترین نمونہ بیت

المقدس میں قبۃ الصخرہ کی عمارت میں ملتا ہے۔جو خلفائے بنو امیہ کے عہد میں لکھا گیا تھا۔یہ کتبہ خط کوفی میں لکھے جاتے تھے۔اس کے بعد طویل عرصہ تک خط کوفی عمارتوں کی آرائش اور کتبہ نگاری کے لیے استعمال کیا گیا۔کتبہ نگاری کے فن نے عہد عباسیہ میں فاطمیوں کے دور میں بہت ترقی کی اور اس کے لیے خط کوفی ہی استعمال کیا جاتا تھا۔عہد سلجوقی کی عمارتوں میں اور کتبہ میں ایک نیا خط ''خط نسخ'' سے لکھا جاتا رہا۔پھر پندرہویں اور سولہویں صدی میں ایران کی عمارتوں اور کتبے کے لیے ایک نیا خط خط نستعلیق نظر آنے لگا پھر اس مقصد کے لیے مزید کئی خطوط طغریٰ، شکستہ اور مربع وغیرہ بھی ایجاد کیے گئے۔(77)

غرضیکہ کتبات کسی بھی عمارت پر لکھے جاتے ہوں لیکن مسجد کے کتبات اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔اور ان کے لیے زیادہ تر عربی خط کوفی اور خط نسخ استعمال کیا گیا۔چونکہ یہ دونوں رسم الخط انتہائی باوقار اور دلکش ہیں اس لیے ان کا استعمال کتبے نگاری میں زیادہ نظر آتا ہے۔اور یہ فن بھی اسلامی فن تعمیر کی ایک الگ شناخت یا پہچان بن چکا ہے۔جو اسلامی عمارتوں کو دیگر عمارتوں سے ایک الگ امتیازی مقام عطا کرتا ہے۔

کندہ کاری(Engraving):

مسلم فن تعمیر میں آرائش کا ایک اہم ذریعہ لکڑی بھی تھا۔جس میں کندہ کاری(Engraving) کے ذریعے یا لکڑی کے مختلف سائز اور شکل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف ھندسی اشکال کو استعمال کرتے ہوئے نہایت اعلیٰ درجے کے نمونے تخلیق کیے جاتے تھے۔(78) اس کے علاوہ لکڑی کے کام میں نایاب اور قیمتی شے آبنوس، ہاتھی دانت، سیپ اور کچھوے کے خول سے بھی کام لیا جاتا تھا۔یہ ایک ایسی صنعت ہے جس کو عربوں نے کمال درجہ تک پہنچایا۔

غرض یہ کہ آرائش وزیبائش کی کوئی بھی صنعت ہو یا فن وہ ہر لحاظ سے انفرادیت کا حامل رہا ہے بلکہ یہ اسلامی فن تعمیر کی اپنی شناخت بن چکا ہے اور ان کی صناعی کے بہت بڑے نمونے ان کی عمارتیں اور یادگاریں ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں جن میں کمال سادگی کے باوجود آرائش میں حسن آفرینی اپنی انتہا کو چھوتی نظر آتی ہے۔چنانچہ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فن میں تخیل آرائی اور تخلیقی پہلو کا اضافہ جو عمارتوں کی آرائش میں کیا گیا تھا صرف مسلمانوں کا ہی حصہ ہے۔مسلمانوں نے خطاطی اور جیومیٹری اشکال کے ذریعے تجریدی آرٹ کو از حد ترقی دی۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر مسلمانوں نے فن تعمیر میں خواہ وہ عمارتوں کا طرز ہو یا آرائشی نقش ونگار، اس میں بعض فنون (مجسمہ سازی اور تصویر کشی) سے اجتناب برتا یا کسی خاص فن میں سست روی کا مظاہرہ کیا تو وہ اس کی تہذیبی منطق کے مطابق تھا۔

کیونکہ دنیا میں ہر تہذیب کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے وہ خاص مزاج، ذوق کے بعض میلانات کا شائق اور بعض سے بیزار ہوتا ہے اور یہ سب کچھ ان عقائد کے تابع ہوتا ہے جو کسی تہذیب میں رواں دواں ہوتے ہیں چونکہ اسلامی تہذیب ایک اسی تہذیب ہے جس میں دین اور دنیا الگ نہیں اس تہذیب کی اساس اللہ کے تعلق پر قائم ہے اور جس کا مقصد ہدف رضائے الٰہی ہے تو اس کی ہر چیز میں اس کی جھلک نظر آئے گی حتیٰ کہ عمارتوں کا طرز تعمیر ہو یہ آرائشی نقش ونگار اس میں بھی اس کی جھلک نظر آئے گی۔ چنانچہ یہ خصوصیت ہمیں ہر اسلامی عمارتوں میں نظر آتی ہے۔

بہر کیف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی آمد دنیائے فن میں ایک عظیم الشان واقعہ تھا تخلیقی اور تعمیری کاموں کے لیے، اس نے زبردست تخلیقی قوتوں کو بیدار کر دیا بلکہ تاریخ انسانی میں اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے فن کو مذہب کی گرفت سے آزاد کیا جب کہ اسلام سے پہلے کے مذاہب کے لوگ فن کو محض مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اور اس کو مذہب کے اظہار کا سب سے اہم ذریعہ سمجھتے تھے جب کہ اسلام نے صورت مادی یا خیالی اظہار سے قطع نظر فن کو صرف آرائش وزیبائش کے لیے استعمال کیا جو فن کے استعمال کا اصلی مقام تھا اور اب فن تعمیر اور اس کے تمام معاون فنون جیسے ہندسی اشکال، پچی کاری، چوبی نکاشی، نسخی گل کاری، منبت کاری، کاشی کاری، کتبہ نگاری کو ایک دعوت عمل تھی کہ نئی مساجد اور محلات کی تعمیر میں مدد کریں اور کمالات دیکھائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان سے کام لیتے ہوئے نقش گری کو اسلامی فن معماری میں کمال تک پہنچا دیا۔ اور برسہا برس گذر جانے کے باوجود بھی یہ اسلامی نقش ونگار جو عمارتوں کی دیواروں پر مزین ہیں یہ ایک ایسا قیمتی اثاثہ ہیں جو اسلامی تہذیب کی شاندار عکاسی کرتے ہیں اور گذشتہ تمدن کی یاد دلاتے ہیں غرض آج بھی اسلامی فن تعمیر ماضی کی طرح اپنے طرز تعمیر اور نقش ونگار کی بدولت دنیا بھر میں اپنی ایک الگ پہچان اور انفرادیت رکھتا ہے۔ اور اسے ماضی سے بھی جوڑے ہوئے ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ بلوچ،عبدالرحیم اشرف،اندلس میں مسلم فن تعمیر(مشمولہ)اندلس کی اسلامی میراث(ترتیب وتدوین)ڈاکٹر صاحبزادہ ساجدالرحمٰن،ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد،2005،ص687۔

۲۔ وحید،صہبا،ہندی۔اسلامی فن تعمیر،عہد سلطنت میں،ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ،اردو اکادمی، دہلی، 1955،جلداوّل،ص33۔34۔

۳۔ کوہنل،ارنسٹ،اسلامی آرٹ اور فن تعمیر،(ترجمہ)مولانا غلام طیب،فیروزسنز،لاہور،1971ء،ص12۔

۴۔ دیکھیے:فان برخم کا مضمون،انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،لائیڈن،لندن،1913ء،جلد1،ص422۔425 مزید دیکھیے:1960ء کے ایڈیشن میں ص608۔624 جبکہ کے اے سی کریسویل(Keppel Archibaid Cameron creswell)کا مضمون A Short Account of Early Muslim Arehitecture میں نسبتاً ہمدردانہ نقطہ نظر ملتا ہے۔(بحوالہ)صہبا،وحید،ہندی۔اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ،جلداول،ص34۔

۵۔ دیکھیے: Gustave.E.Von,Grunebaum,unity and variety in Muslim civilization,University of Chicago.January 1956۔

۶۔ اس کے لیے دیکھیے:ارنسٹ ٹاڈ ہیام کی کتاب ''اسلامی فن تعمیر'' اور کے اے سی کرسیویل(Keppel Archibald Cameron creswell)کا مضمون A Short Account of Early Muslim Architecture

۷۔ رچمنڈ،ارنسٹ ٹاڈ ہیام،اسلامی فن تعمیر 623ء تا 1615ء چند اسباب اور علل،(مترجمہ)سید مبارزالدین رفعت،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،دہلی،جنوری1952ء،ص17۔

۸۔ وحید،صہبا،ہندی۔اسلامی فن تعمیر،عہد سلطنت میں،ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ،جلداوّل،ص34 تا36۔

۹۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ پنجاب،لاہور،1985ء،جلد15،ص493،500۔

۱۰۔ بان،گستاوَلی،تمدن عرب،(ترجمہ)سید علی بلگرامی،الفیصل،لاہور،تاریخ ندارد،ص87۔

۱۱۔ ایضاً،791۔

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص501۔

۱۳۔ رچمنڈ، ارنسٹ ٹاڈ ہیام، اسلامی فن تعمیر، 623ء تا1615ء چند اسباب اور علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، ص9۔

۱۴۔ ایضاً، ص10۔

۱۵۔ اگر چہ کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ظہور اسلام کے وقت عرب زیادہ متمدن قوم نہیں تھی۔لیکن اس قوم کا ماضی شاندار تھا عرب میں قدیم زمانے ہی سے منظّم ریاستیں قائم رہی تھیں۔لیکن کبھی کوئی ایسی ریاست قائم نہیں ہوئی جو پورے عرب پر محیط ہو۔ان میں قوم عاد اور ثمود کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔اس قوم نے مختلف فنون اور خاص طور سے فن تعمیر میں غیر معمولی ترقی کی۔اسی طرح عرب کا جنوب مغربی گوشہ جو یمن کے نام سے مشہور ہیاس میں ایسے ہی تمدن کے آثار ملتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ سے قبل چھٹی صدی کے ربع آخر میں موجود تھے۔اگر چہ آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت یمن کے لوگوں میں نوشت وخواند کا رواج نہ رہا تھا۔لیکن گذشتہ تمدن کی یاد ابھی پورے عرب میں تازہ تھی۔عرب روایات یمنی تمدن کے زوال اور لوگوں کے منتشر ہونے کو مارب (یمن کا قدیم دارالحکومت) کے مقام پر ایک بڑے بند کے ٹوٹنے سے منسوب کرتی ہے۔یہ بنوسبا کا خاندان تھا جو یمن، اطراف حجاز وشام اور حبشہ پر حکمران تھا۔اس نے آب پاشی کے لیے ایک عظیم الشان بند تعمیر کر رکھا تھا۔جدید مورخین کے مطابق بنوسبا کو فن انجینئری اور فن ہندسہ پر کمال حاصل تھا۔جو ان کے عروج وترقی کو ثابت کرتا ہے درحقیقت ان کی عروج وترقی دو چیزوں پر منحصر تھی زراعت وتجارت لہٰذا انھوں نے آب پاشی کے لیے ایک عظیم الشان بند تعمیر کر رکھا تھا جو اس قوم کے شاندار تمدن کا شاہد ہے۔یہاں اب بھی گذشتہ زمانے کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں جو اب یمن کے جدید دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں 15 کلومیٹر کے فاصلے پر نظر آتے ہیں۔ایضاً، ص10۔11۔

۱۶۔ اس سلسلے میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ: "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ بلند اور منقش عمارات نہ بنانے لگیں گے اور یہ کہ ماسوائے ضرورت کے، مکان تعمیر کرنے میں کوئی برائی نہیں۔جامع ترمذی، کتاب الایمان، حدیث نمبر2610۔

۱۷۔ ابن سعد، محمد، طبقات ابن سعد، (ترجمہ) علامہ عبداللہ العمادی نفیس اکیڈمی، کراچی، حصّہ دوئم، ص237۔

۱۸۔ ابن خلدون نے ''مقدمہ'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کوفے میں مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگ گئی چوں کہ یہ گھر سر کنڈوں کے بنے ہوئے تھے۔اس لیے جل کر راکھ ہوگئے۔حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔آپ نے کوفہ کی تعمیر نو کی اجازت دے دی،لیکن یہ شرط لگادی کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر میں اپنے خاندان کے لیے تین حجروں سے زیادہ حجرے نہ بنائے،اور فرمایا کہ عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ نہ بہاؤ۔سنت رسول اللہ ﷺ کو چمٹے رہو۔اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے مکانوں کی بلندی بھی طے کردی تا کہ اونچے اونچے مکان بنا کر دولت کی بے جا نمائش نہ کی جائے۔ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون، (ترجمہ) مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی، کراچی، ستمبر 1986ء، حصہ دوم، ص223

۱۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص678۔

۲۰۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، (ترجمہ) مولانا غلام طیب، ص17۔

۲۱۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، (مرتبہ) خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2011، جلد اوّل، ص36۔

۲۲۔ رچمنڈ، ارنسٹ ٹاڈ ہیام، اسلامی فن تعمیر 623ء تا 1615ء چند اسباب اور علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، ص19۔

۲۳۔ وحید، صہبا، ہندی۔اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص35۔

۲۴۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، (ترجمہ) مولانا، غلام طیب، ص17-18۔

۲۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص500۔

۲۶۔ وحید، صہبا، ہندی۔اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص36۔

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص494۔

۲۹۔ وحید، صہبا، ہندی۔اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص36۔

۳۰۔ چغتائی، محمد عبداللہ، مسلمانوں میں مصوری کا ارتقا، (مشمولہ) فن مصوری -منتخب مضامین، شیما مجید , مکتبہ جدید پریس، لاہور، 2005ء، ص100-128

۳۱۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص87۔

۳۲۔ چغتائی، محمد عبداللہ، مسلمانوں میں مصوری کا ارتقاء، ص100۔

۳۳۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص50۔51۔

۳۴۔ ایضاً، ص41-

۳۵۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص688۔

۳۶۔ ایضاً، ص687-688۔

۳۷۔ زخرفۃ العرب (Arabesque decoration) (عربی گلکاری، بیل بوٹیدار رنگین کام) اس میں کوئی شک نہیں کہ بیل بوٹوں کی تزئین اور تشکیل میں عربوں نے ایسی دقیق نظر سے کام لیا کہ یہ فن ان سے مخصوص ہو کر Arabesque کہلایا۔ جب مسلم فن کاروں کو رنگوں اور خطوط کے امتزاج سے پیہم تخلیقی اشکال پیدا کرنے میں مہارت حاصل ہو گئی تو تب وہ نقاشی کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت ان کی بیشتر توجہ اعلیٰ درجے کی کتابوں کی صورت گری کی طرف مبذول رہی۔ تاہم عمارتوں کی تزئین و آرائش میں عربوں نیوہ مہارت دیکھائی کہ مغرب کا کوئی نقاش ان کے اس فن کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ فن بہت پیچیدہ ہے۔ اس فن میں اگر کوئی بیل دکھائی جاتی ہے تو وہ کئی سمتوں میں پھیلتی ہے اور ہر طرف اس کے موڑ، دائرے اور فاصلے اتنے برابر ہوتے ہیں کہ بال برابر فرق نہیں ہوتا۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اول، ص61 مزید اس فن کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو Hill,Derek, Islamic, Architecture and its Decoration, al, Islam and Art pg London,1964,pg436, Faruqi,Lois damya 133,146

۳۸۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص688۔

۳۹۔ خان، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص54۔55

۴۰۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص300۔

۴۱۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص56۔57۔

۴۲۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص305۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ان ھندسی اشکال کی بنیاد دراصل وہ چند سادہ ترین شکلیں ہیں جنہیں ہم مربع، مستطیل، دائرہ، تکون یا مثلث اور کثیر الاضلاح کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ شش پہلو اور ہشت پہلو ہندسی اشکال کا بنانا مشکل ہے لیکن کوشش سے آدمی اس پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ عمارات کے ہیکل اور بناوٹ میں ھندسی اشکال کے استعمال کی سب سے عمدہ مثال مقرنس (Honey comb or stalactite)، چھتوں والی طاقچوں، محرابوں اور قبوں کی تعمیر ہے جسے خالص اسلامی طرز تعمیر مانا جاتا ہے۔ جبکہ آرائشی مقاصد کے لیے ھندسی اشکال ہمیں خطاطی اور نقش و نگار (Pattern) میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔

۴۵۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص60۔

۴۶۔ رضوی، سید آصف علی، اسپین میں مسلم فن تعمیر کا ارتقاء (مشمولہ) تحقیقات اسلامی، علی گڑھ (انڈیا)، جنوری تا مارچ، 1999، ص34۔

۴۷۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، مرتبہ: خلیق انجم، جلد اوّل، ص60۔61۔

۴۸۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص699، 691۔

۴۹۔ کسی ایک پتھر کی سطح پر رنگین شیشوں اور پتھروں کے ٹکڑے جن کی ترکیب سے گل بوٹے، ہندسی اشکال، جانداروں کی تصویریں بنائی جاتی تھیں یا الفاظ وغیرہ کھود کر اس میں رنگین شیشوں اور دوسرے رنگ کے پتھروں کو تراش کر وصل کرنے کو پچی کاری کہتے ہیں۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص61۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص90۔

۵۲۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص61۔

۵۳۔ بان، گستاؤلی، آثار الصنادید (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص299۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ کاشی جو مختصر طور پر قشانی (Qushani) کی شکل ہے قشانی یا کاشانی، فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایران کا مخصوص فن سمجھا جاتا ہے۔ جس میں مختلف قسم کے رنگوں کے ٹائلز یا چو کے عمارتوں کی آرائش کے لیے استعمال کیےجاتے ہیں۔ جن پر گل بوٹے اور ہندی اشکال بنائے جاتے تھے۔ wikipedia.org–Qashani

۵۶۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اول، ص79۔

۵۷۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص697۔

۵۸۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، مرتبہ: خلیق انجم، جلد اوّل، ص62۔

۵۹۔ en ,m.wikipedia.orgJameh Mosque of Isfahan

۶۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 15، ص759۔

۶۱۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص56۔57۔

۶۲۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص697۔

۶۳۔ علائی دروازہ، مسجد قبۃ الاسلام (ہندوستان) کے اس حصّہ میں داخل ہونے کے لیے تیار کیا گیا تھا جو علاؤالدین خلجی نے بڑھایا تھا۔ یہ مسجد قطب الدین ایبک نے بنوائی تھی۔ بعد میں التمش، خلجی اور تغلق عہد میں اس مسجد میں اضافے ہوتے رہے۔ معین الحق، سید، اسلامی عہد میں فن تعمیر (ہند پاکستان)، دائرہ معین المعارف، کراچی 1965ء، ص10۔

۶۴۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص56۔

۶۵۔ مغلوں کے دور کی عمارتوں میں سنگ مرمر کا بکثرت استعمال شاہجہاں کے دور میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ شاہجہاں نے آگرہ کا قلعہ جو اکبر نے بنوایا تھا اس میں دیوان عام تیار کروایا۔ جس میں سنگ مرمر کا استعمال نمایاں ہے۔ تقریباً دس سال بعد یہیں دیوان خاص تیار کرایا۔ جس کے دروں کے دوہرے ستون جو سنگ مرمر کے ہیں، نہایت عمدہ اور شاندار ہیں۔ تیسری قابل ذکر عمارت اسی قلعہ میں "موتی محل" ہے یہ اگر چہ مسجد ہے۔ لیکن ایک

چھوٹی سی عمارت ہے۔ جو خوبصورتی اور نزاکت کے نقطہ نظر سے واقعی موتی مسجد کہلانے کی مستحق ہے۔اس کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگ مرمر کو کس حدتک خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ شاہجہاں نے اور عمارتیں بھی سنگ مرمر کی اس آگرہ کے قلعہ میں بنوائیں۔مثلاً خاص محل، شیش محل اور مثمن برج وغیرہ۔اسی طرح اس نے لاہور کے قلعے (اکبر کے دور کا) میں دیوان عام، خواب گاہ، شیش محل، مثمن برج اور نولکھا کی عمارتیں سنگ مرمر سے بنوائیں۔اور تاج محل جو شاہجہاں کے عہد کا شاہکار تعمیری کارنامہ ہے۔یہ مکمل طور پر سنگ مرمر کا ہے۔معین الحق، سید، اسلامی عہد میں فن تعمیر (ہند پاکستان)، ص51۔52۔

۶۶۔ ایضاً، ص57۔58۔

۶۷۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص112۔

۶۸۔ ایضاً۔

۶۹۔ ایضاً، ص306۔

۷۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص956۔

۷۱۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص58۔

۷۲۔ ایضاً۔

۷۳۔ ایضاً، ص58۔59۔

۷۴۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص306۔

۷۵۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص57۔

۷۶۔ ایضاً۔

۷۷۔ ایضاً، ص 57۔58 مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے Michel,George,Architecture of the Islamic world,London:Published by Thames and Hudson,pg 112-175

۷۸۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص298۔

جنگ میں حدود وقیود اور شریعت اسلامی ـــــــ ایک تحقیقی مطالعہ

☆ سید محمد نسیم سرور

اسلام 'عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ 'س ل م' ہے۔اس کے معنی اطاعت اور سپردگی ہے۔تاہم اس کے معنی امن وسلامتی میں داخل ہونے کے بھی ہیں (۱)۔اسلام کا ہر پیغام امن کا پیغام ہے۔شرط صرف اس اطاعت و سپردگی کی ہے جو شریعت چاہتی ہے۔شریعت اسلامی میں کوئی بھی پہلو،اصول وضوابط اور ہدایت و رہنمائی سے خالی نہیں ہے۔یہ ایسی ابدی رہنمائی ہے جو تا قیامت آنے والے انسانوں کو راہ دکھاتی رہے گی۔ان کے مسائل کا حل بتاتی رہے گی۔اسلام میں جنگ (جہاد وقتال) بھی حقیقی قیام امن کے لیے ہے لہذا اس کے بارے میں ایسی مکمل رہنمائی ملتی ہے کہ پندرہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی نبی رحمت ﷺ کی جنگی حکمت عملی اور جنگی حدود وقیود آج بھی مشعل راہ ہیں۔دور جدید کی ترقی یافتہ قومیں جو ایک طرف نام نہاد انسانی حقوق کی علمبردار بنی ہوئی ہیں دوسری طرف سب سے زیادہ ان ہی کے ہاتھوں انسانیت پامال ہوئی،اور ہو رہی ہے،اب وہ بھی اسی طرف پلٹ رہے ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ بقائے انسانی وفلاح انسانی کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

زمانہ جاہلیت کا نظریہ جنگ:

دورِ جاہلیت کے نظریہ جنگ کا سب سے تاریک پہلو یہ ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔اس میں غیر مہذب اور مہذب سب برابر ہیں۔جب غیر متمدن قوم کی جنگوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قدر واہمیت نہ تھی،اور جنگ ان کا قومی پیشہ بن گیا تھا،معمولی سی بات پر شمشیریں بے نیام ہو جاتیں،ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف یہ جنگیں منتقل ہوتی رہتی تھیں،انتقامی جذبہ کی تسکین اور حرص وہوس کی تکمیل کے لیے تمام غیر انسانی سلوک روا رکھے جاتے،بدعہدی،لاشوں کی بے حرمتی،ناک کان کاٹ کر اس کا ہار پہننا،دشمنوں کی کھوپڑیوں میں شراب پینا اور ان کو

ڈاکٹر،لیکچرر اسلامک اسٹڈیز گورنمنٹ ڈگری کالج،کراچی

لاتیں مارنا، ان کو نذر آتش کر دینا، قیدیوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرنا اور اذیت دے کر قتل کر دینا۔ جنگ میں بدلہ و انتقام اور خواہش نفس اس قدر حاوی تھا کہ انسانیت سنگدلی و درندگی کے چوراہے پر کھڑی تھی۔ جنگ کے یہ تمام گھناونے جرم فخر وشجاعت کا ذریعہ سمجھے جاتے۔ اس طرح کی خونی داستان سے دور جاہلیت کی پوری شاعری بھری پڑی ہے جو اہل عرب کے نزدیک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ایک جھلک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا کتاب الجہاد فی الاسلام میں ملتی ہے جہاں اس پورے نظریہ جنگ کی عکاسی ہوتی ہے۔

ماذال معروفا لمرة فی الوغٰی

عل القنا وعليهم انها لها'

'ہمیشہ سے بنومرہ کی یہ صفت مشہور ہے کہ وہ جنگ میں بار بار دشمنوں کے خون سے اپنے نیزوں کی پیاس بجھاتے ہیں اور کم از کم ایک مرتبہ ان کی تشنگی فرو کرنا توان پر فرض ہے۔"

متی ننقل الٰی قوم رحانا

یکونوافی اللقاء لها طحینا

"جب ہم کسی قوم کی طرف اپنی چکی کو لے جاتے ہیں تو وہ لڑائی میں اس کا آٹا بن جاتی ہے۔"

وکن اذا اغرن علٰی جناب

واعوزهن نهب حيث کانا

"ہمارے گھوڑے جب قبیلہ جناب پر غارت گری کرتے ہیں اور وہاں کچھ لوٹ کا مال ہاتھ نہیں آتا تو وہ۔"

اغرن من هن الضباب علٰی حلول

وضبة انهٗ من حان حانا

"ضباب اور ضبہ پرٹوٹ پرتے ہیں جبکہ وہ اپنے گھروں میں ہوتے ہیں، پھر جو مرے سو مر جائے اس کی وہ کچھ پروانہیں کرتے۔"

ثم ملنا علی تمیم فا حرمنا

وفيها بنات حراماء

"پھر ہم بنی تمیم پر ٹوٹ پڑے اور ماہ حرام میں ان پر پہنچ کر ان کی بیٹیوں کو لونڈیاں بنالیا۔"

وانا العاصمون اذا اطعنا

وانا العازمون اذا عصينا

"جب ہماری اطاعت کی جاتی ہے تو ہم بچانے والے ہوتے ہیں اور جب ہماری نافرمانی کی جاتی ہے تو ہم عازم جنگ ہو جاتے ہیں۔"

ونشرب ان وردنا الماء صفوًا

ويشرب غيرنا كدرًا وطينا

"جب ہم کسی چشمہ پر پہنچتے ہیں تو صاف پانی پیتے ہیں اور غیروں کو گدلا کیچڑ ملا ہوا پانی پینا پڑتا ہے۔"

مندر بن امرائی القیس نے جب جنگ میں فتح پائی اور وہاں کی عورتوں کو زندہ جلانا شروع کیا تو بنی قیس کے فرد نے چھڑایا۔ اعشی اس کو فخریہ انداز میں پیش کرتا ہے۔

سبايا بني شيبان يوم اوارة على النار اذا تجلى به فتياتها

"اس جنگ اوارۃ میں بنی شیبان کے اسیروں کو چھڑالیا جبکہ ان کی جوان لڑکیاں آگ میں ڈالی جارہی تھیں۔" (۲)

متمدن اقوام کا نظریہ جنگ:

جو اقوام مہذب و متمدن کہلاتی تھیں، یا ہیں، جنگ کے معاملے میں ان کا رویہ غیر مہذب سے بھی بدتر دکھائی دیتا ہے۔ ان کے لیل ونہار، ظلم و بربریت کی خون آشام داستان سے رنگین ہیں۔ جنگ کے حوالہ سے کسی اصول وقانون کی نہ پاسداری دکھائی دیتی ہے نہ ہی بوڑھوں، بچوں، عورتوں، بیماروں، معذوروں، راہب و گوشہ نشینوں کی عزت وحرمت کا خیال نظر آتا ہے۔ فصلوں، باغات اور آبادیوں کو تہس نہس اور تہہ وتیغ کر دیا جاتا تھا۔ ان کے اندر مذہبی عناد بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ متبرک مقامات کی بے حرمتی بھی جنگ کا ایک حصہ تھی۔ عیسائی، یہودی اور مجوسی میں سے جب بھی کوئی ایک دوسرے پر غالب آتا تو اس کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا۔ ہزاروں لاکھوں جانیں ضائع ہو جاتیں۔ سفراء کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ پوری آبادی کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا۔ اس مہذب اقوام کے وحشیانہ کھیل اور خون تفریح کا سامان جنگی قیدی ہوا کرتے تھے، پہلے تو ان قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے پھر اذیت ناک سلوک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

ڈاکٹر حقی حق نے اپنی کتاب ’ ہوئے تم دوست جس کے ‘ میں اپنے آپ کو متمدن قوم کہلانے والے اور ہمدرد و غم خوار بتانے والوں کا ذکر کیا ہے جو حقیقت میں دوسروں کو اتنا حقیر سمجھتے ہیں کہ اسے انسان کا درجہ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

امریکہ کے بابائے قوم جارج واشنگٹن، ریڈ انڈینز کے بارے میں جو حقیقی سوچ رکھتے تھے اس کا ذکر مشہور محقق رچرڈ ڈرنن نے اپنی کتاب میں جارج واشنگٹن کے ایک خط کے اقتباس کو پیش کر کے کیا ہے، جس سے ان کے انتہا پسندانہ رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔ ہماری آبادی کا تسلسل یقینی طور پر جانوروں (ریڈ انڈینز) کو اسی طرح ختم کر دے گا جس طرح بھیڑیوں کو بالآخر موت آگھیرتی ہے۔ شکل وصورت میں مختلف ہونے کے باوجود، دونوں کا انجام یکساں ہے۔ (۳)

ریڈ انڈینز کے بارے میں کئی مواقع پر کلمات بد لکھنے کے بعد اپنی کتاب میں ہرمن میلول باقی دنیا کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے:

’’ امریکی خون کا ایک قطرہ بھی اس وقت تک نہیں بہایا جا سکتا جب تک ساری دنیا کا خون نہ بہ جائے۔ چونکہ ہم ایک قوم نہیں، ایک دنیا ہیں۔‘‘ (۴)

مؤرخ لاس کیسس دراصل عیسائی مبلغ تھا اور اسی حیثیت سے براعظم امریکہ گیا تھا لاس کیسس کا ان ہسپانوی لوگوں میں شمار تھا جسے کولمبس کے ساتھ پہلے جہاز پر امریکہ جانے کا شرف حاصل تھا لاس کیسس کو تاریخ اور علم وادب سے دلچسپی تھی اس لئے وہ کولمبس کا وقائع نگار بھی بن گیا اس نے کولمبس کی یادداشتوں کو ۱۵۵۲ء میں مرتب کرنے کی خدمات سرانجام دیں ... یہ یادداشتیں سولہویں صدی میں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا میں پھیل گئیں یادداشتوں میں موجود واقعات کی سفاکی چنگیز خان اور ہلاکو کی کارگزاریوں سے کہیں زیادہ تھی۔

لاس کیسس لکھتا ہے:

’’ہسپانویوں نے بچوں کی ٹانگیں کاٹ دیں جوان سے ڈر کر بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں پر کھولتا ہوا صابن انڈیلا اور پھر شرطیں لگا کر تلوار کے ایک ہی وار سے انسانی جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ خونخوار کتوں کو لوگوں پر چھوڑ دیا گیا جنھوں نے چشم زدن میں انہیں چیر پھاڑ دیا‘ کتوں کی کارگزاری پر انعامی خوراک کے طور پر نومولود بچوں کو ان کے سامنے پھینک دیا گیا۔‘‘ (۵)

امریکہ جو دورجدید میں اپنے آپ کو مہذب اور انسانی قدروں کا ترجمان کہلواتا ہے، آج بھی اس نے زبردستی دنیا پر اپنی طاقت کی دھاک بیٹھانے کے لیے کئی ممالک میں جنگ مسلط کر رکھی ہے۔ دورجدید کے جنگی مظالم کی ایک طویل فہرست

ہے جو انسانیت سوز ہے۔اخبار نوائے وقت کے مطابق افغانستان کے شہر جلال آباد اور کابل کے درجنوں مریضوں کے خون اور پیشاب کے ٹیسٹ کئے گئے تو پتہ چلا کہ یہاں امریکہ اور برطانیہ کے جنگی طیاروں نے ڈی یو بم استعمال کیے ہیں اسی طرح کے بم پہلے مسلمان ریاست کوسووا اور عراق میں بھی وسیع پیمانے پر گرائے جا چکے ہیں۔معالجین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان مریضوں کے خون اور پیشاب میں دو ہزار فیصد سے زائد یورینیم کے ذرات موجود تھے۔ایسے ہی یورنیم کے ذرات جاپان کے ان شہروں کے رہنے والوں میں بھی پائے گئے تھے جہاں ایٹم بم گرائے تھے۔یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں پیدا ہونے والے بچے معذور اور انتہائی پیچیدہ بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اکثر بچے پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں ان کا شمار نہ زندوں میں ہوتا ہے اور نہ ہی مرنے والوں میں، وہ اور انکی ماؤں کی زندگی ہمیشہ کیلئے عذاب بن جاتی ہے۔ایسے ہی جنگی جرائم کا ارتکاب امریکی اور برطانوی فوجی عراق میں بھی کر چکے ہیں جہاں انبیاء اور اولیا کرام کی مقدس سرزمین پر نیپام بم کے استعمال کے مصدقہ ثبوت ملے ہیں ایک عربی اخبار کی رپورٹ کے مطابق امریکی فوج فلوجہ شہر اور گردونواح میں ہر مہلک اور انسانیت کش ہتھیار بے دریغ استعمال کرتی رہی ہے۔ٹینک توپوں اور جنگی طیاروں کے ساتھ ساتھ نیپام گیس بم ہزاروں کی تعداد میں برسائے گئے ہیں یہ نیپام گیس بم زمین پر گرنے کے بعد کھمبی کی طرح اوپر اٹھتے ہیں اس میں دھوئیں اور گرد وغبار کے بادل نکلتے ہیں ان بادلوں میں اچانک ایسے ستارے بھی نکلتے ہیں جن کے پیچھے دھوئیں اور شعلوں کی لمبی آبشاریں ہوتی ہیں یہ شعلے جہاں بھی گرتے ہیں وہاں آگ لگا دیتے ہیں پھر اس آگ کو بجھایا نہیں جا سکتا۔جس سے اردگرد موجود انسان اور جاندار موم کی طرح پگھلتے پگھلتے پانی کی طرح تحلیل ہو جاتے ہیں۔امریکی فوجی پینے والے پانی کے کنوؤں میں بھی زہر ملانے سے باز نہیں آتے۔عراق میں نیپام گیس بم کے استعمال کے حوالے سے برطانیہ میں بھی وسیع پیمانے پر احتجاج کیا گیا تھا لیکن انسانیت کے دشمن امریکہ اور برطانیہ درندگی اور وحشت کی ہولناک مثالیں قائم کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔(۶)

اسی طرح اسرائیل کا ایک طویل عرصہ سے جنگ مسلط کیے رکھنا اور مسلسل حملے، بیت المقدس کی بے حرمتی اور بچوں، بوڑھوں اور خواتین کو ظلم کا نشانہ بنانا، خواتین کے چہرے پر اسرائیلی فوجیوں کا اپنے گھٹنے رکھ کر ان کے ہاتھوں کو باندھنا، اس کے علاوہ آبادیوں پر میزائل برسانا جس سے ان کی درندگی وحیوانیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔مئی 2021 میں پوری دنیا نے دیکھا کہ وہ مسجد اقصیٰ کے اندر عبادت کرتے ہوئے بھی ظلم وبربریت سے باز نہیں آئے۔(۷)

ظلم وستم کا یہ سلسلہ آبادیوں پر مسلسل حملے کی صورت جاری وساری ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور خواتین پر خون آشام حملوں اور لہولہو لاشوں پر پوپ فرانسس بھی بول پڑے، بیت المقدس تشدد نہیں عبادت کی جگہ ہے جھڑپوں کو فوری طور پر روکا جائے۔ (۸)

یہ تو ایک مختصر سی جھلک ہے ورنہ مغرب کا چہرہ جنگ کے معاملات میں بالخصوص سب سے بھیانک ہے۔ ایک طرف تو خود ساختہ جنگ کو مسلط کرنا اور پھر ظلم وبربریت کی انتہا کر دینا ان کا خاصہ ہے۔

جنگ میں حدود و قیود سے متعلق شریعت اسلامی کی رہنمائی لیکن اس کے برعکس اسلام اس نظریہ جنگ اور اس طرح کے طرز جنگ کی نفی کرتا ہے۔ شریعت سب سے پہلے مقاصد جنگ کی رہنمائی کرتی ہے۔

مشہور مصری عالم محمد قطب لکھتے ہیں:...... ''اسلامی جنگوں کی داستان، جن کا محرک اسلام کا یہ جذبہ تھا کہ انسانیت صراط مستقیم پر گامزن ہو۔ اس مقصد کے حصول میں پرامن ذرائع سے کام نہ چلے تو مجبورا اسلام قوت استعمال کرتا ہے۔ اسلام کی یہ جنگیں کسی فوجی قائد کی خود غرضی اور ہوسِ ملک گیری کی پیداوار نہیں تھیں، اور نہ ان کے پیچھے دوسروں کو غلام بنانے کا جذبہ کارفرما تھا، بلکہ یہ جنگیں محض خدا کے لیے لڑی گئیں اور ان کا اصل مقصد رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ تھا، مگر بات صرف جذبے پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اسلام نے ان جنگوں کے لیے باقاعدہ اصول وقوانین بھی مقرر کیے''۔ (۹)

رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت سپہ سالار جنگ کے لیے نہ صرف اصول وضوابط مقرر فرمائے بلکہ اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہ دی۔ جنگی معاملات میں نبی مہربان ﷺ نے جن حدود وقیود کو بیان کیا ہے وہ تاریخ انسانی میں منفرد اہمیت کی حامل ہیں۔

معاہدہ کی پاسداری:

شریعت اسلام میں ہر سطح پر بدعہدی اور وعدہ شکنی منع ہے اور اسے اہل ایمان کے لیے قابلِ مذمت فعل قرار دیا ہے۔ اسلام میں میعاد معاہدہ ختم ہونے تک جنگ کرنے کی ممانعت ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ جنگ بندی معاہدہ ہو گیا ہے اس کو پورا کرنا ہوگا، الا یہ کہ فریق مخالف کی طرف سے نقض عہد کے تلخ تجربات سامنے آئیں یا ان کی طرف سے دشمنوں کی مدد کی گئی ہو۔ اگر معاہدہ کے خلاف مسلمان مدد طلب کرے تب بھی معاہدے کا لحاظ رکھا جائے گا اور اس کو توڑا نہیں جائے گا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ

اگروہ (اہلِ ایمان) دین کے معاملات میں تم سے مدد چاہیں تو ان کی مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں مدد نہ کرنا جن سے تمھارے اور ان کے درمیان صلح و امن کا معاہدہ ہوا ہو۔(۱۰)

حدیث مبارکہ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَنۡ قَتَلَ مُعَاہِدًا فِی غَیۡرِ کُنۡهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيۡهِ الۡجَنَّه

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی معاہدہ کو بغیر کسی وجہ سے قتل کردے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔(۱۱)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَنۡ قَتَلَ مُعَاہَدًا لَم يُرِحۡ رَائِحَةَ الجَنَّةَ

وَاِنَّ رِيۡحَها لَتُوجَدُ مِنۡ مَسِيۡرَةِ اَرۡبَعِيۡنَ عَامًا

"جو کوئی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی خوشبو نصیب نہ ہوگی۔ حالانکہ اسکی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی"(۱۲)

غیر اہل قتال (قتال سے لاتعلق) کے حدود و قیود:

نبی مہربان ﷺ نے اہل قتال اور غیر اہل قتال کا فرق واضح کرتے ہوئے قتال سے لاتعلق (غیر اہل قتال) کو نقصان پہنچانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، زاہدوں اور مندروں کے مجاوروں اور پجاریوں وغیرہ کو قتل نہ کیا جائے۔

عَنۡ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنۡهُمَا قَالَ وُجِدَتۡ امۡرَأَةٌ مَقۡتُولَةً فِی بَعۡضِ مَغَازِی ﷺ

فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنۡ قَتۡلِ النِّسَاءِ وَالصِّبۡيَانِ

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غزوے میں ایک مقتول عورت دیکھی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔"(۱۳)

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جُيُوشَهُ

قَالَ ...... وَلَا أَصۡحَابَ الصَّوَامِعِ

" حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ جب کبھی فوج بھیجتے تھے تو ہدایت کر دیتے تھے کہ ......۔ اور معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کرنا۔"(۱۴)

ابوداوٗد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

...لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔

" کسی بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل مت کرو اور اموالِ غنیمت میں چوری نہ کرو۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ میں آئے سب کو ایک جگہ جمع کرو۔ نیکی اور احسان کرو، اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔"(۱۵)

شریعت میں غیر اہل قتال کے حدود و قیود کا خلاصہ یہ کہ وہ تمام لوگ جو لڑنے سے معذور ہیں، قتال سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ وہ جنگ میں بالواسطہ یا بلا واسطہ حصہ نہ لیں۔

غفلت میں حملہ کرنے کی ممانعت:

عرب عموماً شب خون مارتے تھے۔ تقریباً یہی وطیرہ مہذب قوموں کا بھی رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے صبح سے پہلے حملہ کرنے کی ممانعت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى خَيْبَرَ لَيْلًا وَكَانَ إِذَا أَتَى قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ بِهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ

"رسول اللہ ﷺ خیبر رات کے وقت پہنچے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے رات کے وقت موقع پر پہنچ جاتے تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے بلکہ صبح ہو جاتی جب کرتے۔"(۱۶)

لوٹ مار اور تباہ کاری کی ممانعت:

اسلام سے قبل محض مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بھی جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تجارتی قافلوں اور راہگیروں کو لوٹنا پیشہ بن چکا تھا۔ اگر ایک نگاہ، عصر حاضر کی جنگوں پر ڈالیں تو وہی اپنی بڑائی کو جتانے اور دوسروں کے وسائل کو قبضہ کرنے یا ملیامیٹ کر دینے کا عمل پایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس شنیع عمل کی پُر زور مذمت کی اور اس طرز عمل پر قدغن لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص لوٹ مار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ "(۱۷)

آنحضرت ﷺ نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دیا تاکہ جنگ کے موقع پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ لوٹ مار، فتنہ وفساد کی اجازت ہے اور غیر اخلاقی حرکتوں کے ارتکاب پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

حضرت ثعلبۃ بن حکم کہتے ہیں کہ ہمیں دشمن کی کچھ بکریاں ملیں تو ہم نے لوٹ لیں اور ان کو ذبح کر کے ہانڈیوں میں چڑھا دیا، پھر نبی ﷺ کا گذران ہانڈیوں کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے ہانڈیاں الٹ دینے کا حکم دیا چنانچہ ہانڈیاں الٹ دی گئیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ مار حلال نہیں ہے۔ (۱۸)

افواج کی پیش قدمی کے وقت یا طاقت وقوت کے غلبہ کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام اور املاک کو نظر آتش کرنا، اسلامی نقطہ نگاہ سے ناجائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْہَا وَ یُہْلِکَ الْحَرْثَ
وَ النَّسْلَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ

اور جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔(۱۹)

اسلام نے امور مصلحت کے تحت صرف خصوصی حالات میں جب ضروری ہو۔ درختوں کو کاٹنے اور جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔

دشمن کو آگ میں جلانے کی ممانعت:

عرب اور غیر عرب شدتِ انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ آج بھی جب ہم مہذب یافتہ ممالک کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظلم وستم جاری ہے۔ اسی سال ۱۸۔۲۰۱۷ میں، امن نوبل یافتہ سربراہ کے اپنے ملک میانمار میں بستی کی بستی وہاں کے لوگوں سمیت جلا دی گئی، بھاگتے مرد، عورتوں اور بچوں کو کلہاڑیوں اور چھرے سے بے دردی کے ساتھ ان کے ہاتھ پاوں کاٹ کر، تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ نہ نوبل انعام سرنگوں ہوا نہ نوبل (یافتہ) انسان کے ماتھے پر کوئی شکن پڑا۔ دوسری طرف دیکھیے رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ کسی نے چونٹیوں کے گھروں کو جلا دیا ہے تو آپ ﷺ نے چیونٹیوں کی بستیوں کو جلانے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اس طرح کے وحشیانہ حرکت کو ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ

"آگ کا عذاب صرف آگ کے رب کو ہی لائق ہے کہ وہ دے۔"(۲۰)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے جب زنادقہ کو جلا دیا تھا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ:

لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ

"بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: آگ اللہ کا عذاب ہے۔اس سے (بندوں کو) عذاب نہ دو۔"(۲۱)

مثلہ کی ممانعت:

دشمن سے انتقام کی آگ ایسی ہوتی ہے کہ قتل کرنے کے بعد بھی وہ آگ بجھتی نہیں ہے۔زمانہ جاہلیت ہو یا جدید، لاشوں کی بے حرمتی کرنا اور ان کے اعضاء کی قطع و برید کرنا غصہ و انتقام کا اظہار کرنے کے لیے کیا جاتا رہا ہے۔حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبائے جانے سے لیکر مقتول کے سر سے فٹبال کھیلنا، ناک، کان کاٹنا اور ان کے سروں کا مینار بنانا تاریخ میں رقم ہے، وہیں تہذیب یافتہ قوم کا مقتول سے سلوک، جنگلی درندوں سے بھی بدتر نظر آتا ہے۔

''کچھ اور فوجی قتل ہو جانے والے ریڈ انڈینز کے مردہ اجسام سے کھال اتارنے میں مصروف ہو گئے تاکہ ان سے ٹانگوں پر پہننے والی پٹیاں بنا سکیں۔(۲۲)

اسلامی شریعت میں مثلہ کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ روایت کرتے ہیں:

نَهى النبى صَلى الله عَلَيهِ وَسَلمَ عَنِ النُهبى وَالمُثلَةِ

"نبی کریم ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (۲۳)

مجاہدین کی روانگی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا " بدعہدی نہ کرنا، غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا۔"(۲۴)

قتل اسیر اور باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت:

رومیوں اور یونانیوں کے ہاں اسیران جنگ یا تو قتل کئے جاتے تھے یا غلام بنالئے جاتے تھے۔محض غلام بنانے کے

لئے جنگ کرنا بھی عام تھا۔ روم میں جنگی قیدیوں کو زندہ جلایا جاتا، اذیت دے کر قتل کیا جاتا یا درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا۔ اور کبھی جشن مناتے ہوئے ایک ہی رات میں ہزاروں غلاموں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی۔ جیسا کہ فیرر نے کہا ہے کہ "وہ ذلت کے بچپن، مشقت کی جوانی اور بے رحمانہ تغافل کے بڑھاپے میں پیدائش سے موت تک کے مراحل طے کرتے تھے۔"(۲۵)

دنیا کے سارے مذاہب میں غلامی کسی نہ کسی طرح جاری رہی ہے۔ یہ اسلام کا خاصہ ہے کہ غلامی کے تصور حیوانیت کو شرف انسانیت سے ایسا مزین کیا کہ ایک ہی صف میں محمود و ایاز کو کھڑا کر دیا، کھانے، پینے، پہننے وغیرہ میں اپنی پسند کو اس کے لیے بھی وہی پسند بنا دیا۔ دراصل جنگی قیدیوں کے تبادلے کا پہلے رواج نہیں تھا۔ لہذا جس طرح مسلمان سپاہی قید ہوتے تو مسلمانوں کے لئے بھی یہی راستہ تھا کہ وہ بھی دشمن کے سپاہیوں کو قیدی بنائیں اور اسے غلام کے طور پر رکھ لیں۔

رسول رحمت ﷺ نے قتل اسیر سے منع فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ شہر مکہ میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان کرا دیا:

لَا تُجهَزُنَّ عَلَى جَرِيحِ وَلَا يُتبَعَنَّ مُدْبَرٌ، ولَا يُقْتَلَنَّ اَسِيرٌ، وَمَنْ اَغْلَقَ بَابَه فَهُوَ آمِن

" کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔"(۲۶)

شریعت نے ایک طرف قیدی کے ساتھ احسان کا برتاو کرنے کا حکم دیا ہے تو دوسری طرف دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیف دے کر قتل کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ جنگ پر گئے تھے، ایک موقع پر ان کے پاس لشکرِ اعدا میں سے چار نوجوان پکڑے ہوئے آئے تھے۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ انھیں باندھ کر قتل کیا جائے۔ اس کی اطلاع حضرت ابوایوب انصاریؓ کو ہوئی تو اُنہوں نے کہا:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهى عَنْ قَتْلِ الصَّبْرِ
فَوَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لَوْ كَانَتْ دَجَاجَةٌ مَا صَبَرْتُها

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے باندھ کر قتل کرنے سے روکا ہے۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے باندھ کر قتل نہ کرتا۔(۲۷)

اسلامی تعلیمات کا عظیم الشان پہلو یہ ہے کہ اس کے ماننے والوں سے جب کوئی غلطی ہوجاتی تو وہ اس کا ممکنہ حد تک ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کے کفارہ میں چار غلام آزاد کیے۔

قتل سفیر کی ممانعت:

اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین اور رؤف ورحیم کہا ہے۔ آپ ﷺ نے سفیروں اور قاصدوں کے قتل سے بھی منع فرمایا۔ مسیلمہ کذاب کی طرف سے دو آدمی (قاصد) گستاخانہ پیغام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے معلوم کیا کہ تم دونوں مسیلمہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو اس (مسیلمہ) نے کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَا وَاللَّهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا

اللہ کی قسم! اگر قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن ماردیتا۔(۲۸)

امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں اس سے متعلق مسئلہ ذکر کیا ہے۔

اسی سے فقہاء نے یہ جز نکالا ہے کہ جب کوئی شخص اسلامی سرحد پر پہنچ کر بیان کرے کہ میں فلاں حکومت کا سفیر ہوں اور حاکم اسلام کے پاس پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں تو اس کو امن کے ساتھ داخلہ کی اجازت دی جائے، اس پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ اس کے مال ومتاع، خدم وحشم حتی کہ اسلحہ سے بھی تعرض نہ کیا جائے؛ اِلا یہ کہ وہ اپنا سفیر ہونا ثابت نہ کرسکے۔(۲۹)

لشکر کی روانگی کے وقت ہدایات دینا:

شریعت اسلامی میں انسان جنگ سے پہلے ہو، جنگ کی حالت میں ہو یا جنگ کے بعد، وہ اللہ کا بندہ ہے۔ جنگ میں بحیثیت انسان وہ دوسرے انسان سے برسرِ پیکار ہے لہذا وہ کیسا انسان ہے کہ حالت جنگ میں اس کی انسانیت مرجاتی ہے اور وہ ایک درندہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ اپنے لشکر کی جنگ سے پہلے بھی تربیت کرتے اور لشکر بھیجتے وقت فوجوں کو نظم وضبط کے ساتھ یہ محضر کرواتے کہ جنگ میں دامن شرافت وشائستگی چھوٹنے نہ پائے۔

نبی مہربان ﷺ کے جانشین خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو دس

ہدایتیں دی تھیں۔ وہ دس ہدایات اسلامی تعلیمات جنگ کا مختصر خلاصہ ہیں۔

۱۔عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔ ۲۔ مثلہ نہ کیا جائے۔

۳۔راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کیے جائیں۔

۴۔کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔ ۵۔آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۶۔بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔ ۷۔جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۸۔جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔

۹۔اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔ ۱۰۔جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

ان احکام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جنگ و جہاد کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا ایک غیر منفک جزو بنے ہوئے تھے۔(۳۰)

حاصل کلام:

اسلام کے تمام قوانین اور حدود و قیود نہ صرف انسانیت بلکہ کائنات کی ہر چیز کی بقا وخوبصورتی کے لیے ہیں۔اسی طرح اسلام کا قانون جنگ، اتنا شاندار ہے کہ وہ پندرہ سو سال سے دعوت فکر دے رہا ہے۔شریعت اسلامی میں جنگ کے حدود و قیود کے ثمرات کا نظارہ کرنا ہو تو دور نبوی ﷺ میں دیکھیں جہاں اسلامی ریاست کی تشکیل و تکمیل میں تقریباً آٹھ سال جنگوں سے مرتب ہیں۔جس میں صرف غزوات کی تعداد ستائیس ہے۔گویا تقریباً ہر سال میں تین بار جہاد اور جس کے لیے حضور ﷺ نے اتنی سی مدت میں ۵۵ جہادی لشکر اپنے ساتھیوں کی سرکردگی میں روانہ کیے۔جس انقلاب کے دوران حضور ﷺ ہر لمحہ مستعد اور تیار رہے، جس میں مدنی زندگی کی کش مکش جہاد میں ہر چند دن کے بعد ایک مہم لازماً درپیش رہی اور یہ آٹھ سالہ زندگی پوری جنگی کیمپ کی سی زندگی بن کر گزری...... انسان سوچتا ہے کہ جس آٹھ سالہ مہماتی زندگی میں تقریباً ہر مہینے میں ایک جنگ درپیش ہوتی ہو اس میں خون خرابے اور تباہی و بربادی کا کیا حال ہوگا، لیکن مورخین نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھیوں اور فریق مخالف کے اس جنگی انقلاب کا افرادی نقصان کے لحاظ سے جو نقشہ پیش کیا ہے... اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس حیرت انگیز اسلامی انقلاب میں کل انسان جو کام آئے ہیں وہ صرف ۹۱۸ ہیں۔اور اگر ان مقتولین کو ۸۲ جنگوں پر تقسیم کیا جائے تو فی جنگ اوسط مقتولین کی تعداد ۱۱۲۰ نکلتی ہے۔کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے بڑا غیر خونی انقلاب (bloodless

(revolution) آج تک دنیا میں کبھی کوئی برپا ہوا ہے جس کے ذریعے انسان کا ظاہر و باطن ہی بدل جائے، نظامِ مملکت اور نظامِ معیشت و سیاست سب کچھ بدل جائیں اور بیاسی جنگوں میں صرف ۱۹۱۸ افراد کام آئیں۔(۳۱)

انسانی تاریخ کی بڑی بڑی تہذیبیں کتابوں میں دفن ہوگئیں، ان کے صرف آثار ہی ہیں۔اور کتنی ہی ہیں جو تباہی کے دھانے پر ہیں مسائل سے نجات اور خوشحالی حقیقت کو قبول کرنے میں ہے اور یہ وہ ترکیب خاص ہے جو کہ ترکیبِ رسول ہاشمی ﷺ میں پنہاں ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ابراہیم مصطفیٰ ودیگر، المعجم الوسیط ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۵۵۵

۲۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلی، مولانا، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۱۰۷۔۱۱۴

۳۔ حقی حق، ڈاکٹر، ہوئے تم دوست جس کے، شفیق پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۲

۴۔ ایضا، ص ۲۰۹

۵ ایضا، ص ۲۱۸

۶۔ www.nawaiwaqt.com.pk140850/2012-Nov-04/

۷۔ :https / epaper.jasarat.com/ 1/karachi/09/05/2021/

۸۔ :https// paper.jasarat.com/karachi/10/05/2021

۹۔ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۹۰

۱۰۔ الانفال: ۲:۷

۱۱۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، مکتبہ علمیہ، بیروت، باب فی الوفاء للمعاہد وحرمۃ ذمتہ، حدیث نمبر ۲۷۶۰، ص ۳۸۹

۱۲۔ ابوعبداللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مکتبہ علمیہ، بیروت، کتاب الدیات، باب من قتل معاھدا، ص ۸۹۶، حدیث نمبر ۲۶۸۶

۱۳۔ ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مکتبہ علمیہ، بیروت، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل النساء فی الحرب، حدیث نمبر ۳۰۱۵، ص ۴۲۷

۱۴۔ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۹۲ مسند امام احمد بن حنبل مکتبہ دارالسلام، ریاض ۱۴۳۴ھ حدیث نمبر ۲۷۲۸ مسند اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ص ۲۱۵

۱۵۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، مکتبہ علمیہ، بیروت، باب فی دعاء المشرکین، حدیث نمبر ۲۶۱۴، ص ۲۵۶

۱۶۔ ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مکتبہ علمیہ، بیروت، حدیث نمبر ۲۹۴۵، ص ۲۷۷

۱۷۔ ابوعبداللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مکتبہ علمیہ، بیروت، کتاب الفتن، باب نھی عن النہبہ ص ۱۲۹۹ احدیث

نمبر ۳۹۳۷

۱۸۔ ایضا، حدیث نمبر ۳۹۳۸

۱۹۔ البقرہ: ۲۰۵

۲۰۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، مکتبہ علمیہ، بیروت، باب فی قتل الضرر۔ حدیث نمبر ۵۲۶۸ ص ۵۴۰

۲۱۔ ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مکتبہ علمیہ، بیروت، حدیث نمبر ۶۹۲۲

۲۲۔ حقی حق، ڈاکٹر، ہوئے تم دوست جس کے، شفیق پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۲

۲۳۔ ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مکتبہ علمیہ، بیروت، کتاب المظالم باب النھی بغیر اذن صاحبہ، ص ۵۹۹ حدیث نمبر ۲۴۷۴

۲۴۔ مسلم بن حجاج بن مسلم، صحیح مسلم، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، حدیث نمبر ۴۵۲۲

۲۵۔ رضوی، سید واجد، پیغمبر رحمت ﷺ، مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۷

۲۶۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، دار و مکتبہ الھلال، بیروت، ص ۵۵

۲۷۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، مکتبہ علمیہ، بیروت، باب فی قتل الاسیر بالنبل، ص 325 حدیث نمبر ۲۶۸۷

۲۸۔ ایضا، باب فی الرسل۔ ص ۳۸۹ حدیث نمبر ۲۷۶۱

۲۹۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلی، مولانا، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۲۳۲

۳۰۔ ایضا، ص ۲۳۶۔۲۳۵

۳۱۔ گیلانی، سید اسعد، رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۵۷۔۶۵۶

اسلام کا تصورِ اہلیت ـــــ ایک مطالعہ

☆شاکر حسین خان

تمہید:

اسلام کے سیاسی نظام کے مطابق، اللہ رب العالمین، اقتدارِ اعلیٰ کا کلی طور پر مالک ہے۔ اس تصور کی بدولت اسلام کا سیاسی نظام دنیا کے دیگر سیاسی نظاموں میں ممتاز نظر آتا ہے۔ اللہ رب العٰلمین کی حاکمیت کے متعلق قرآن مجید کی متعدد آیات وحدیث روایات پائے ثبوت کو پہنچتی ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا: **فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ**۔1

'تعریف ہے اس کی جس کے زیر اقتدار تمام چیزیں ہیں۔"

اس لیے جب کائنات کا ایک ہی خالق و مالک ہے تو حکم بھی اسی کا چلے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ:2 حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔"

اس تصور کے باوجود ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر اس کا رسمی رواج رہ گیا ہے کہ اللہ رب العٰلمین، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ جیسا کہ ہمارے قانون دانوں اور ان کے متعلقین یا اقتدار پر فائز افراد کی روش ہے۔ اللہ رب العٰلمین کی حاکمیت سے مُراد، کتاب اللہ کی حاکمیت ہے جو کہ اس کے نفاذ کی صورت میں قائم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العٰلمین نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

اِنَّآاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآاَرٰاکَ اللّٰہُ وَلَاتَکُنْ لِلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا:3"

ہم نے آپ کی جانب قرآن اس لیے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔"

☆ڈاکٹر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی